سنگت تراجم

Sangat Translation Series

گندم کی روٹی

سنگت تراجم: 7

کتاب: گندم کی روٹی

ناولسٹ: عبدالستار پُردلی

اردو ترجمہ: شاہ محمد مری

پہلی اشاعت: 2003ء

دوسری اشاعت: 2015ء

تیسری اشاعت: 2018ء

چوتھی اشاعت: 2023ء

قیمت: 300روپے

پبلشر:

سنگت اکیڈمی آف سائنسز، کوئٹہ

پتہ:

سنگت اکیڈمی

مری لیب، شیر محمد روڈ کوئٹہ۔

فون: 081-2827968

Web: www.sangatacademy.net

انتساب

اپنے بچپن میں گاؤں میں امیر ترین گھر کا فرد ہونے کے
باوجود میں گندم کی روٹی (وہ بھی اُس کا محض ایک ٹکڑا) اُس وقت
ہی کھا سکتا تھا جب گھر میں کوئی معزز مہمان آ جاتا، یا کوئی شادی
وغیرہ ہوتی اور یا گھر کا بزرگ کوئی برا خواب دیکھتا۔ یوں ہم جوار،
باجرہ، اور اُبلے ہالیہ، پر پلے بڑھے۔
اُس تڑپ وحسرت کے نام۔۔۔۔
جو مجھے گندم کی روٹی کا محض ایک ٹکڑا ملنے کے لیے ہوتی تھی۔

فہرست

2018 کی اشاعت کے لیے مترجم کا پیش لفظ 6

2003 کی اشاعت کے لیے مترجم کا پیش لفظ 9

مصنف کا پیش لفظ 12

ناول

باب اول 16

باب دوم 35

باب سوم 57

باب چہارم 76

باب پنجم 89

مترجم کا 2015 کا پیش لفظ

ہم میں بارہ برس بعد اس نایاب شدہ ترجمہ کو دوبارہ چھاپ چکے تھے، اور اس کے بعد اب میں ایک بار پھر اسے شائع کر رہے ہیں۔ ان اٹھارہ برسوں سے قبل جو روشنی ہمارے شمال میں ابھری تھی، اور ذرا دیر کو رکی تھی اور پھر، اپنے ساتھ پوری لولاک کی جگمگاہٹ کو لے کر ڈوبی تھی، اُس کو سمجھو ربع صدی ہو چکی۔ اِس سکراتی دورانیے، کا کیا پیش لفظ لکھا جائے۔ زخم، یا تو بھرنے کے لیے چاٹے جاتے ہیں، یا پھر مزید گہرا کرنے کو چھیڑے جاتے ہیں۔

کچھ بھی ہو یہ جو گندم کی روٹی کی حسرت ہے ناں، یہ جو جوار کی روٹی سے بیزاری ہے ناں، اس نے ابھی بہت کچھ کرانا ہے۔ بہت سوں کے آنگن زندگی سے خالی کرنے ہیں، بہت سوں کے چولہے اجڑنے ہیں، بہت سوں کی ارواح کو کاری زخم لگنے ہیں..... بہت بڑے انقلاب آنے ہیں۔

اگر معروض کو گردن سے پکڑ کر تبدیلی کے حق میں کر دینے والا کوئی ہنر کار اور ''معروض موڑ'' شخص، گروہ یا پارٹی نہ بھی پیدا ہو، تب بھی معروض نے اُدھر ہی جانا ہے۔ طبقاتی ذرائع پیداوار

نے بہرصورت سماجی ارتقا کے پیروں کی زنجیر بننا ہے اور ارتقا نے یہ زنجیریں پاش پاش کرنی ہی ہیں ۔اور اس درمیانے وقت میں، پارٹی کی غیر موجودگی میں ''انارکی'' دلخراش غم انسانیت کو دیتی جائے گی۔ اور پھر سماج اپنی تبدیلی کی پارٹی اور لیڈر سامنے لائے گا ہی۔ ایک دہائی پہلے، یا ایک دہائی بعد۔

اطمینان تو ہرگز نہیں، مگر خوشی ضرور ہے کہ اس تبدیلی کے حق میں موجود لوگ اگر اور کچھ نہ کر سکے تو کم از کم اس شمع کو زندہ تو رکھا۔ گو کہ اسی معمولی کام کو بھی بہت کامیابی کے ساتھ ''بڑی'' اور ''نظر آنے والی'' صورت لینے کو ناممکن بنا دیا گیا ہے۔

نظریات سے ہٹ کر بھی دیکھیں تو آرٹ، کلچر، اور لٹریچر سب پیسے کی مٹی میں ملا دیے گئے ہیں۔ ہماری زمین کی کوکھ ایسی اولاد پیدا کرنے پر لگا دی گئی ہے، جس کا بیج بھی باہر سے (جلندھر) ہے، کھاد بھی باہر سے (عرب ممالک)، اور کرم کش ادویات بھی (امریکہ) باہر سے ہیں۔ یعنی ہماری اگلی نسلوں کے پیروں تلے اپنا کلچرل گراؤنڈ ہوگا ہی نہیں۔

مزاحمت ناممکن دکھتی ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ تبدیلی کی اِن ہواؤں کو روکنا ناممکن ہے۔ ہم لاکھ خارج کو الزام دیتے رہیں مگر تبدیلی کی ہوا قطعاً داخلی ہوتی ہے۔ یہی بتانے کے لیے اس ناول کا ترجمہ ایک بار پھر شائع کیا جا رہا ہے۔ کم از کم تندہی سے اُس بیش بہا خزانہ کو از سرِ نو دنیا کے سامنے (اور اپنے بچوں کے سامنے بھی) پیش تو کیا جائے جو ہے تو پوری انسانیت کا ورثہ، مگر جس کے تخلیق کار اور حفاظت کار ہم رہے ہیں۔ بلوچ معاشرہ، اس کا کلاسیکی ادب، اس کا فولکور، اُس کی مائتھالوجی، اور اُس کے آرکیالوجیکل آثار ساری انسانیت کا ورثہ ہیں۔ انھیں حفاظت سے رکھ کر، جھاڑ پونچھ کر، اور دکھانے کے قابل بنا کر، انسانیت کے ملاحظہ مطالعہ کے لیے پیش کیا جائے: یہی ہے بلوچ کا چیلنج۔ یہ نہ ایک دن کا کام ہے اور نہ وقتی ضرورت کا فلسفہ۔ ہمیں ہمارے کلاسک اور فوک کی اشاعت، اور تشریح اور ترویج کرنی ہوگی۔ اسی طرح بین الاقوامی ادب کے تراجم ہمیں آنے والے چیلنجوں سے نمٹنے میں مدد دیں گے۔ ہمیں ایسا کرنا ہے۔

اِن اٹھارہ برسوں میں عبدالستار پردلی کا دیدار بھی بالآخر نصیب ہوا۔ نئی ہم کاری کے در

بھی کھلے اور خیر کی نئی نئی امیدوں کا جنم بھی ہوا۔ اُس کی صحت کی بھلائی، اُس کے قلم کی روانی اور خیر کے اُس کے پیغام کی وسعت و سبک رفتاری کی تمنا کے ساتھ۔

شاہ محمد مری

ماوند

چھ جولائی 2018

2003 کی اشاعت کے لیے مترجم کا پیش لفظ

پاکستان میں 1978ء کے بعد دس پندرہ برسوں میں جن لوگوں کی سانسیں کابل ریڈیو کے اعلانات کے ساتھ ساتھ تہہ اور بالا ہوتی رہیں، یہ ناولٹ اُن لوگوں کی اپنی لکھی ڈائری ہے جسے ہلمند کے بلوچ عبدالستار پردلی نے ترتیب دینا تھا۔ یہ ناولٹ بلوچستان میں طبقاتی سیاست کرنے والوں کے ہاتھ میں اُن لوگوں کے خلاف ایک مہلک ہتھیار رہے، جن کا دعویٰ رہا ہے کہ ''بلوچستان میں طبقات نہیں ہیں، مدہم ہیں، غیر واضح ہیں اور یہاں صرف سرداروں کی سرپرستی میں قومیتی سیاست ہوسکتی ہے''۔ یہ ناولٹ، اُن لوگوں کے نصاب میں شامل ہونے کے لیے لکھا گیا ہے جو علم کو، اور سیاسی وسماجی شعور کو، سماجی تبدیلی کا انجن سمجھتے ہیں۔ جو سٹڈی سرکل لیتے ہیں اور سٹڈی سرکل دیتے ہیں۔ یہ پسماندہ ترین معاشروں کی معاشیات کی دستاویز ہے۔ یہ ناولٹ بلوچ انقلابی کے لیے حکمتِ عملی اور داؤ پیچ کا مینوئل ہے۔ کسانوں' چرواہوں کی ایکتا' تنظیم، وسیع النظری کا آئینہ ہے۔ یہ سردار، زردار کے جور و جبر کی گہرائی کا بیانیہ ہے، بے رحمی ناترسی کی تفسیر ہے۔ لالچ، استحصال، درندگی اور جبر و جور کا مرثیہ ہے۔ یہ تصنیف پورے وسطی ایشیا کے منطقے میں ماقبل سرمایہ داری کی معاشی سماجی اور سیاسی منظر نگاری ہے۔

یہ ناول بلوچی زبان کے رخشانی لہجہ میں لکھا گیا ہے۔ بلوچی زبان کے بے شمار لہجوں میں سے سب سے میٹھا اور مترنم لہجہ افغان بلوچوں کا ہے جو اپنے دریائے ہلمند کا پیتے ہیں اور اپنے نیمروز کا کھاتے ہیں، کھیتی باڑی کرتے ہیں اور مویشی پالتے ہیں۔ پانچ لاکھ کی اس آبادی کا لہجہ گوادر کے ساحلوں جیسا شفاف، مست کی شاعری کی طرح رواں، بیورغ کی خوش الحانی جیسا مترنم اور بلوچستان کی طرح مواد و معدن سے مالا مال ہے۔ شیریں، پرکشش اور سہل۔ اچھا بھلا سٹینڈرڈائزڈ لہجہ بن رہا تھا یہی نیمروزی طرز پوری عالمی بلوچی زبان کا۔ ریڈیو ٹی وی میں، صحافت و ابلاغ میں،

پرنٹ میں، نصاب میں، خط و کتابت میں اور خوب پھل پھول رہی تھیں اس کی اصطلاحیں..... کہ:

امریکہ کے پیٹ میں دائمی درد کا مروڑ پڑ گیا۔ جلندھر کے ضیاالحق جسے اپنی ماں کی بولی پنجابی سے کوئی پیار نہ تھا تو اسے ہماری بلوچی سے کیا تعلق، کیا ہم دردی ہوسکتی تھی؟۔ چناں چہ امریکہ اور پاکستان نے میکارتھی اور نسیم حجازی کے گھوڑے ہمارے ہی بلوچستان سے ہمارے ہی ہلمند پہ دوڑا دیے اور اپنے اَن دُھلے منہ اور بغیر کُلی کی ہوئی زبان سے نعرہ تکبیر مارتے ہوئے اپنے ناپاک بدن سے ہماری سرزمین کو روندتے رہے۔ ریڈ کابل بند ہوا۔ افغان ٹی وی پہ بلوچی زبان کا خوب صورت چہرہ آنا بند ہوا، اخبار ''سوب'' ختم ہوا۔ پمفلٹ، کتابچے رک گئے..... بلوچی زبان بنتے ابھرتے رک گئی۔

یہ یاد رکھیں کہ توسیع پسند حمید گل کا پان اسلام ازم اور بلوچی زبان کی ترقی معکوس تعلق رکھتے ہیں۔ حمید گل تو فن کار ہے پھر امریکہ کی Mercenary گیری کسی صورت گانٹھ لے گا۔ مر گئے ہم، کہ ہماری زبان کو ترقی کے ملے دس برس مکمل طور پر ضائع گئے۔ اُن کا کیا ہے؟، اردن کے کہنے پر فلسطینیوں کو ماریں گے، وہ نہیں تو ظفاریوں کو ماریں گے۔ رضا شاہ کے پیسوں پہ بلوچوں پہ لشکر کشی کریں گے، بوسینا میں چڑھ دوڑیں گے۔ سنٹو ہو جائیں گے، سینٹو بن جائیں گے، بنگالیوں کا حشر نشر کر دیں گے، نجیب کو لٹکا دیں گے، یا عراق شراق کو مار دیں گے۔ امریکہ کو راضی رکھنا اُن کے لیے کون سا مشکل ہے۔ پہلے کشمیر کو آزاد کرانے ہندوستان سے لڑتے تھے۔ کل دیکھو یہی حمید گل امریکہ کے اشارہ ابرو پہ انھی کشمیریوں کو بلڈوز کرے گا۔ مگر زبان کی ترقی و ترویج میں اس طرح کا لپک جھپک ممکن نہیں ہوتا۔ اسے تو ایک سدا بہتے رہنے والا مدہم مدہم، میٹھا میٹھا دریا چاہیے ہوتا ہے۔ ہماری بلوچی کو تو پشتونوں، تاجکوں، ازبکوں، ترکمنوں اور نورستانیوں کی زبانوں کے جھرمٹ میں برابری کے مقام میں ہی زندہ رہنے سے ترویج ملتی ہے۔ بلوچی زبان تنہا بھی نہیں رہ سکتی اور دوسرے کی بالادستی میں بھی نہیں جی سکتی۔ نازک اندام اور خوب صورت بلوچی صرف اور صرف سندھی، پشتو، پنجابی اور اردو کے گلستان میں برداری و برابری میں نکھر سکتی ہے۔ بدبخت ہیں وہ جو بلوچی کو قومی زبان بننے نہیں دیتے، جو اُسے تعلیمی و سائنسی زبان بننے نہیں دیتے، جو اسے سکولوں'

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ذریعہ تعلیم بنانے نہیں دیتے، جو اُسے ریڈیو اور ٹی وی میں برابر ٹائم نہیں دلاتے۔ بلوچی زبان محبت اور فطرت کی توصیف والی زبان ہے۔ یہ انٹرنیشنل ازم کی زبان ہے۔ اسے عالمی جہاں بینی ہی کا ذریعہ ہونا چاہیے۔ اسے ترقی ملنی چاہیے۔ اس کے عبدالستار پر دلی زندہ رہیں، اُن کا قلم نیکی پھیلاتا جائے اور اس کے بولنے والے اپنے روشن مستقبل کو پاکر امن، اتفاق اور خیر و برکت سے فیض یاب ہوں۔

شاہ محمد مری

ماوند

27 اپریل 2003

مصنف کا پیش لفظ

طبقاتی معاشروں میں، ہر چیز کی پیشانی پر طبقاتی مہر لگی ہوتی ہے۔ ایسے معاشروں میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے دو دشمن طبقات آمنے سامنے مورچہ زن ہوتے ہیں اور اُن کے درمیان شدید جدوجہد جاری رہتی ہے۔

ایک طبقہ پیداوار کے وسائل کا مالک ہوتا ہے اور دوسران سے محروم۔ ایک کام کرتا ہے، اس کے پیروں میں شگاف پڑ جاتے ہیں، ہاتھوں میں چھالے۔ اور اس کا پسینہ بہتا ہے۔ اور دوسرا بے کاری میں دوپہر تک اپنے پلنگ پر پڑا رہتا ہے اور کھانے، سونے اور عیاشی کرنے کے علاوہ دوسری کوئی مصروفیت نہیں رکھتا۔

طبقاتی معاشروں میں طاقت ور طبقہ عوام کو بے شعور رکھتا ہے، محنت کشوں کے درمیان بے اتفاقی پیدا کرتا ہے اور انہیں دھوکہ دیتا ہے۔ اگر محنت کش باشعور ہو جائیں اور آنکھیں کھول دیں اور باغی ہو جائیں تو طاقت ور طبقہ جس کے پاس ریاست کی قوت اور فوج ہوتی ہے، قتل و غارت شروع کرتا ہے۔ جیل خانوں کے در کھل جاتے ہیں اور زنجیریں پہنا کر انہیں سالہا سال تک تاریک جیلوں میں پھینک دیا جاتا ہے، جہاں ہتھکڑی اور بیڑیوں کی جگر سوز موسیقی سننا مقدر ٹھہرتا ہے۔

طبقاتی معاشروں میں محنت کشوں کے وفادار اور محبِّ وطن روشن خیال، اور مزدوروں کے نظریہ سے واقف لوگ متحد ہو جاتے ہیں اور مزدوروں کی پارٹی بناتے ہیں۔ عوام سے سیکھتے ہیں اور عوام کو سکھاتے ہیں اور ان کی آنکھیں کھولتے ہیں۔

اکتوبر 1917ء میں روس میں مزدور طبقے کی پارٹی اور لینن کی سربراہی میں سوشلسٹ انقلاب برپا ہوا اور ظلم و جبر کا قدیم محل سرنگوں ہو گیا۔ دوسری جنگ کے بعد جب سوشلسٹ کیمپ قائم ہو گیا تو دنیا میں ہر جگہ محنت کشوں کی تحریک مضبوط ہوئی اور عالمی سامراج اور استحصالی جونکوں کے اندر کھلبلی مچ گئی۔ اس نے سوشلسٹ کیمپ اور اس کے سربراہ سوویت یونین کے خلاف سرد

جنگ شروع کر دی۔ امریکی سامراج اور اس کے حواریوں نے سوشلسٹ ملکوں کے خلاف اسلحہ کے انبار جمع کیے اور وہ ان مہلک ہتھیاروں کو بین الاقوامی تحریک کے خلاف استعمال کرتا ہے اور رجعت پسندوں کی مدد کرتا ہے۔

روس کے اکتوبر انقلاب نے دنیا میں ایک سرخ لکیر کھینچ دی، جہاں ایک طرف مزدور، کسان، روشن فکر اور محنت کش ہیں اور دوسری طرف عوام دشمن، سیٹھ و جاگیردار، سامراج اور کمپراڈور ہیں۔ اس انقلاب نے زلزلے کی طرح دنیا کو متاثر کیا اور خاص کر ہمارے وطن افغانستان کو، جس کی سرحدیں سوویت یونین کے ساتھ ملتی ہیں۔

اکتوبر انقلاب ہمارے آزادی پسندوں کی جدو جہد کے راستے کا چراغ بنا۔ ہمارے بہادروں نے فرنگی سامراج سے نجات کے لیے بڑی کٹھن جدو جہد شروع کر دی اور 1919ء کو برطانوی سامراج کے خلاف آزادی کا جھنڈا بلند کیا اور سب سے پہلے برطانوی سامراجی زنجیر توڑ ڈالی اور دیگر محنت کشوں کی آزادی کے حصول کی راہ ہموار کر دی۔

ہماری آزادی کو ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ سامراجی جونک نے دوسرے سازشی طریقوں سے دوبارہ ہمارے عزیز وطن پر اپنے پنجے گاڑ دیے۔ پہلی دفعہ وہ خود آیا تھا، اب کی بار اپنے ایک غلام زادے کو بھیج دیا جو کہ غدار نادر تھا۔ نادری خاندان کے اقتدار کے زمانے میں عوامی تحریک بہت مشکلات سے دوچار ہوئی۔ وہ ترقی پسند تحریک کو روکنے کی خاطر ہر طرح کی بے رواجی اور ناروائی کرتا رہا۔ محبّ وطن روشن فکر لوگ پھانسی پہ چڑھائے گئے۔ ان کے کان تک کاٹے گئے۔

حکمران طبقہ جب تک بس چلا محنت کشوں کی لوٹ میں لگا رہا۔ استحصال و ظلم حد سے بڑھا، اچھی زمینیں جاگیردار لے گئے، محنت کشوں کے ناموس پہ دست درازیاں کی گئیں، ان کا حق ماں کا دودھ سمجھ کر ہضم کر لیا گیا۔ جب کوئی کسان سرداروں کی ان کارستانیوں پہ تنقید کرتا تو اسے بیوروکریٹ بھیڑیوں کے ہاتھ میں دیا جاتا۔ اور جو کچھ سردار سے بچ جاتا یہ بیوروکریٹ اُس سے چھین لیتے۔ مختصر یہ کہ چھری گوشت سے گزر کر ہڈی تک پہنچ گئی۔

ہمارے محبّ وطن روشن فکر لوگوں نے، جو کہ مزدور طبقہ کے ترقی پسند نظریہ کو مشعلِ راہ

بنائے ہوئے تھے، ان بے انصافیوں کے خاتمے کے لیے کمر باندھ لی اور اس راہ پر فتح مند ہونے اور سیاسی جدو جہد کو اس کے اچھے نتائج تک پہنچانے کے لیے فیصلہ کیا کہ محنت کشوں کو منظّم کریں۔ اور یہ کام سیاسی پارٹی بنائے بغیر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کی پہلی کانگریس یکم جنوری 1965ء کو منعقد ہوئی۔ پارٹی ہمارے عوام کی انقلابی تحریک کے سربراہ کے بطور طبقاتی جدو جہد کے موررچے پہ سختی سے ڈٹ گئی اور ہمارے محنت کشوں کے دشمنوں کے سروں پر تابڑ توڑ حملے کرنے لگی۔ اسی دور جہد میں پارٹی اپنے فہمیدہ اور بہادر سربراہوں میں سے ایک، میر اکبر خیبر سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ پھر رجعت پسند حکمران کی طرف سے اس پارٹی پر یلغار ہوئی، راہنماؤں میں سے کچھ گرفتار کر لیے گئے اور پارٹی کی ہدایت پر ہمارے عوام کی بغاوت شروع ہوگئی اور بہت کم وقت میں انقلابِ ثور فتح مند ہوا۔ محنت کش سیاسی اقتدار کے مالک بن گئے اور بے انصافی اور نابرابری ختم کرنے کی راہ پر گامزن ہوئے۔

یہ چھوٹی کتاب ''گندم کی روٹی'' ہمارے سماج کے اس دور کے جاگیرداروں اور سرداروں کے ظلم و جبر کو ظاہر کرتی ہے۔ میں نے جہاں بھی لوگوں کے منہ سے باتیں سنیں، اسی طرح انھیں لکھا، اپنی طرف سے کوئی کمی و بیشی نہیں کی۔

فتح عوام کی.....!!

ستارپُر دلی

گندم کی روٹی

باب اول

سردیوں کا موسم تھا۔ ٹھنڈی ہواؤں کے جھکڑ خوابیدہ درختوں کو جھنجھوڑتے تھے۔

دل مُراد ایک نوجوان کسان تھا۔ وہ ابھی 20 سال کی عمر تک نہ پہنچا تھا۔ وہ اکثر ہوا کی سائیں سائیں کی آواز کو غور سے سنتا تھا۔ سوچتا کہ یہ ہوا کی آواز نہ تھی بلکہ اس کی ماں کی آواز، بہن کے رونے کی آواز اور کم سن مرید کی آہ وفریاد تھی جو اُسے سنائی دے رہی تھی۔ اس کا تیرہ سالہ بھائی محمد خان سردی سے کانپ رہا ہے۔ محمد خان جس کے پاس یخ بستہ سردیوں میں جوتے نہیں ہیں اور وہ ننگے پیر ہے۔ دل مُراد کھڑا سوچوں میں گم ہے اور اچانک سرد ہوا کے جھونکے سے اس کے دانت بجنے لگتے ہیں۔ اس نے تیشہ ایک طرف رکھ دیا اور اپنے آپ سے کہنے لگا:

''میرے پاس تو چادر بھی ہے، پھر بھی سردی لگ رہی ہے۔ میرے کم سن مرید کے پاس تو شلوار بھی نہیں، میری شاہ پری کے پاس دوپٹہ بھی نہیں، گرم کپڑے کس نے دیکھے! اور محمد خان کو دیکھو کہ سردیوں کے اس موسم میں ننگے پاؤں گایوں کے پیچھے دوڑنے پر مجبور ہے۔ مگر ہم اکیلے ہی ان برے دنوں کی مشکلات اور دکھوں میں مبتلا نہیں ہیں۔ بلکہ سارے کسان اس طرح کی بدقسمتی کا شکار ہیں۔ ہم کیا کریں؟۔ ایک وقت کی روٹی ہے تو دوسرے وقت فاقہ ہوتا ہے۔ ہم کہاں سے اپنی مشکلات کا حل ڈھونڈیں۔''

وہ انہی فکروں میں کھویا ہوا تھا کہ اُسے اللہ داد کی آواز سنائی دی۔

''دل مُراد لعنتی، کام کیوں نہیں کرتے، لعنت ہے تمہارے اعتبار پر۔ دیکھتے نہیں کہ سورج ڈوبنے کو ہے''۔

بے چارے دل مُراد نے جواب دیا:

''جناب میں دیکھ رہا ہوں کہ سورج غروب ہونے کو ہے۔ مگر آپ نہیں دیکھتے کہ میرا دل کانپ رہا ہے اور پیروں میں طاقت نہیں ہے۔''

اللہ داد کو غصہ آیا:

''کم بخت کہاں سے سردی تمھیں مار رہی ہے۔ کام کرو تا کہ گرم ہو جاؤ''۔

دل مُراد بے بس اور مجبور تھا، اپنی جگہ سے اٹھا، کام شروع کیا اور خاموشی سے کہنے لگا:

''اللہ داد خان تمھیں سردی کی فکر نہیں ہوتی، اس لیے کہ تم نے گرم شال اوڑھ رکھی ہے۔ اگر میری طرح پھٹے پرانے کپڑے تم نے بھی پہنے ہوتے تو میں دیکھتا کہ کس طرح بکریوں کی طرح کانپنے لگتے۔''

سارے کسان مغرب تک کام کرتے تھے۔ آج ہوا ہمیشہ کی نسبت زیادہ سرد تھی۔ جب کام ختم ہوا تو کسان ہر طرف روانہ ہو گئے۔ دل مُراد نیچے کی طرف روانہ ہوا تا کہ وہ بھی اپنے چولہے کی آگ کے لیے کچھ جھاڑیاں وغیرہ جمع کرے اور اس کے بھائی بہن سردی سے بچیں۔ وہ ذرا آگے گیا اور وہاں جھاڑی وغیرہ کاٹنے لگا۔

اللہ داد جب کچھ دور گیا تو یہ دیکھنے کے لیے رکا کہ آیا کسان چلے گئے یا نہیں' تو اس کی نظر دل مُراد پر پڑی جو جھاڑیاں کاٹ رہا تھا۔ اس نے زور سے اُسے آواز دی:

''اوئے .....اوئے ..... کیوں یہاں سے جھاڑیاں کاٹتے ہو؟۔ تمھیں شرم نہیں آتی۔ چلو دفع ہو جاؤ کسی اور کی زمین سے جھاڑیاں کاٹو۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اس ٹکڑے کی جھاڑیاں میں نے اپنی بکریوں کے لیے حفاظت سے بچا کر رکھی ہیں؟''

دل مُراد اپنی جگہ پہ جیسے سوکھ گیا ہو۔ وہ ایک طرف سردی سے کانپ رہا تھا اور دوسری طرف مایوسی سے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا کہ اگر یہ زور آور نہ چھوڑے اور یہ جھاڑیاں اُس سے چھین کر لے جائے تو وہ کیا کرے گا۔ وہ ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ اللہ داد اس کے سر پر آن پہنچا اور کہنے لگا:

''تم لوگوں کو کیا مصیبت ہے، سب کو یہی جھاڑیاں نظر آتی ہیں.....''

دل مراد نے جھاڑیاں چھن جانے کے خدشات میں گھرے ہوئے اس سے کہا:

''جناب رحم کریں، بہت ٹھنڈ ہے، خدا جانے میرے بھائی بہن کس حال میں ہوں گے۔ آج مجھے جانے دیں آئندہ میری توبہ ہے، میں یہاں سے ایک ٹہنی بھی نہیں لے جاؤں گا۔ آج رات ہمارے پاس ایک تنکا تک نہیں کہ چولہے میں ڈالیں اور روٹی پکائیں یا خود کو گرم رکھ سکیں۔ میں آپ کی داڑھی چھوتا ہوں کہ آج مجھے جانے دیں۔ اللہ آپ کو ثواب دے گا، خانہ آباد!''

اسے کیا پتہ تھا کہ سردار کس طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ اس نے امید بھرے انداز میں اُس شخص سے خیر مانگی جیسے بکری کا لیلا بھوکے بھیڑیے سے کپڑے مانگے۔

اللہ داد غرایا:

''جہنم میں جاؤ۔ تمھیں ایک ٹہنی بھی لے جانے نہ دوں گا، جاؤ مشہدی عباس کے کھیت سے جھاڑیاں لے جاؤ''۔

دل مراد ناامید ہو گیا اور مجبور ہو کر مشہدی عباس کے کھیت کی طرف چلا گیا تا کہ وہاں سے کچھ جھاڑیاں اور گھاس پھونس حاصل کر سکے۔ مگر اس نے ابھی تک کچھ جھاڑیاں ہی کاٹی تھیں کہ مشہدی عباس کی آواز آئی:

''چوپایہ آدمی! کسان کسی اور کے ہو، اور جھاڑیاں میرے کھیت سے کاٹتے ہو، لعنت ہو تم پر، جاؤ گم ہو جاؤ اپنے مالک کے کھیت سے جھاڑیاں جمع کرو.....''

دل مُراد بڑبڑانے لگا:

''وہاں سے تو مایوس ہو کر یہاں آیا ہوں اس لیے کہ ہوا بہت سرد ہے اور اندھیرا بھی ہوتا جا رہا ہے۔ اگر انہی جھاڑیوں کو لے جانے دو جو میں نے کاٹی ہیں تو آج کی رات گزر جائے گی۔ مجھے قبول ہے کہ آئندہ نہ آؤں گا، ہمارے پاس آج رات لکڑی کا ایک ٹکڑا تک نہیں ہے۔ میرے چھوٹے بھائی بہنوں کو سردی لگ جائے گی۔''

مشہدی عباس ناراض ہو گیا۔

''تو مجھے کیا؟۔ میری طرف سے خدا کرے تم سب آج رات سردی سے مر جاؤ۔ فوراً

نکل جاؤ میرے کھیت سے''۔

دل مُراد سخت ناامیدی میں گھر کی طرف چلا گیا۔

ماں دُرخاتون چشم براہ تھی کہ بیٹا کچھ جھاڑیاں لائے گا مگر جب دیکھا دل مُراد خالی ہاتھ آرہا ہے تو اس نے پوچھا:

''کیوں لکڑیاں نہیں لائے ہو؟۔کیا تمہیں بھول گیا کہ آج رات گھر میں جلانے کے لیے کچھ نہیں ہے؟۔''

دل مُراد نے سرد آہ نکال کر جواب دیا:

''تھوڑی سی جھاڑیاں توڑی تھیں مگر اللہ داد نے وہ چھین لیں۔وہاں سے پھر مشہدی عباس کے کھیت گیا،اس نے بھی میری لکڑیاں چھین لیں اور سخت لعنت ملامت کی،گالیاں بھی دیں ،اندھیرا ہو گیا اور ٹھنڈ بھی بڑھ گئی تھی اس لیے مجبور ہو کر گھر آ گیا۔''

ماں نے کہا:

''میرے بیٹے جڑی بوٹیوں کی تھوڑی سی جڑیں نکال لاتے''۔

دل مراد نے سر جھکا لیا اور ماں کی طرف دیکھے بغیر کہنے لگا:

''اماں، کہہ تو دیا ناں کہ اندھیرا چھا گیا تھا اور سردی بھی بڑھ گئی تھی اور یہ کام میرے بس میں نہ رہا۔''

دُرخاتون نے دیکھا بیٹا روہانسا ہو گیا تو اُس سے کہنے لگی،''قسمت اچھی ہے،آج محمد خان کچھ پتے اور ٹہنیاں جمع کر کے لایا۔ہم انہیں تنور میں ڈالیں گے۔تم جا کے تنور کو صاف کرو اور اس میں آگ جلاؤ، میں آٹا گوندھ لوں۔دیکھنا تنور کے اندر راکھ بالکل نہ بچے''۔

دل مُراد نے تنور کو صاف کیا اور جا کر ہمل کے گھر سے انگارے لایا اور ان پہ کچھ لکڑیاں ڈال کر آہستہ آہستہ پھونک مارتا رہا۔

اس اثنا میں محمد خان آیا اور اس کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔

''لالا،آج میرے پیر سردی سے ٹھٹھر گئے ہیں۔تم میرے لیے جوتے نہیں لائے۔

مغرب کے وقت جب گایوں کو اگلے گاؤں سے لا رہا تھا تو اندھیرا ہو گیا تھا اور کانٹے میرے پیروں میں چبھ رہے تھے۔ذرا دیکھو میرے پیر کیسے ہو گئے ہیں''۔

''لالا جان!تم یہ تکلیف برداشت کر لو اس لیے کہ میرے پاس ایک پیسہ نہیں بھی ہے۔ وگرنہ میں تمہارے لیے ضرور جوتے خریدتا۔دیکھو میرے پیر بھی تمہاری طرح ننگے ہیں''۔

شعلہ جل اٹھا اور جس وقت اس نے لکڑیاں تنور میں ڈال دیں تو یہ آگ بجھ گئی۔بالآخر اس نے تنور میں سر ڈال دیا تا کہ انگاروں کو پھونک مار سکے۔اس دوران اس کا چھوٹا بھائی مرید پیچھے سے آیا اور اس کے کندھے پر سوار ہو گیا بازو گردن میں حمائل کر دیے۔اور کہا:

''لالا جان۔عید قریب ہے۔ہر کوئی اپنے بھائیوں کے لیے نئے کپڑے خرید رہا ہے۔ کیا آپ میرے لیے کپڑے نہیں خریدیں گے؟''۔

''تم اترو۔کسی اور موقع پر تمہارے لیے کپڑے بھی خریدوں گا''۔

ابھی دل مُراد کی بات ختم ہوئی ہی تھی کہ اس کی بہن شاہ پری سردی کے ہاتھوں گھر میں نہ رہ سکی اور باہر نکلی،ان کے قریب آئی:

''لالا میرے لیے چھری نہیں لائے؟ تا کہ تمہاری پسندیدہ ڈش کھود کر نکال سکوں؟۔جب وہ پکاتی ہوں تو کیسے مزے لے لے کر کھاتے ہو۔میرے ناخنوں کو دیکھو تو کتنے زخمی ہو گئے ہیں''۔

دل مراد نے کہا:

''بہنا،قول ہے کہ کل تمہارے لیے چھری لاؤں گا۔''

تنور آہستہ آہستہ جل رہا تھا اور بھائی بہن اس کے اردگرد کھڑے تھے۔وہ کبھی ہاتھوں کو، اور کبھی پیروں کو آگ سے سینکتے جاتے تھے اور آپس میں گفتگو کرتے جاتے۔

ان کی ماں آٹا گوندھ کر لائی۔آٹا اچھی طرح لیس دار نہیں ہوا تھا،اس لیے پکاتے وقت وہ تندور میں گر جاتا۔

دل مراد نے اپنی ماں سے مذاق کرتے ہوئے کہا:

''اماں تم ابھی تک روٹی نہیں پکا سکتی ہو۔ اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو میں اپنے لیے ایک اور ماں لاتا''۔

''دل مُراد جان، مطلع ابر آلود اور سرد ہے۔ تم اندر جاؤ اور چولہے میں آگ جلاؤ تا کہ تمہارے بہن بھائی آ جائیں اور تمہارے پہلو میں بیٹھ جائیں اور خود کو گرم کر سکیں۔ میں بھی روٹی پکا کر آ رہی ہوں۔''

دل مُراد نے محمد خان سے کہا:

''تم چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں اندر لے جاؤ، میں انگارے لا رہا ہوں۔''

دل مُراد پریشان ہو گیا کہ کیا کرے مگر ماں نے شہہ پری کی طرف منہ کر کے کہا:

''بیٹی، گل خان کے گھر جاؤ اور کہو کہ ہمارے پاس آج رات لکڑی نہیں ہے۔ تھوڑی سی جھاڑیاں دے دیں۔''

شہہ پری سردی سے کانپتی ہوئی گل خان کے گھر گئی اور جھاڑیاں مانگیں۔ گل خان کا دل اس لڑکی کے لیے پسیج گیا اور اس نے جھاڑیاں اُسے دے دیں۔ اس نے جھاڑیاں گھر پہنچا دیں اور دل مُراد نے آگ جلائی۔

ماں تنور سے دسترخوان لائی اور روٹیاں ان کے سامنے رکھیں۔ انہوں نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد ہر کوئی ایک طرف لیٹ گیا۔ سب سو گئے مگر دل مُراد کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ اس خیال میں ڈوبا ہوا تھا کہ کس طرح اپنے بہن بھائیوں کے مطالبے پورا کرے۔ وہ اپنے آپ سے پوچھنے لگا، ''میں نے قول کیا ہے کہ شہہ پری کے لیے چُھری لاؤں گا مگر پیسے کہاں سے لاؤں گا؟۔ ایک چھری کی قیمت چار افغانی ہے۔''

دوسری صبح وہ سویرے اٹھا۔ ہاتھ منہ دھوئے۔ آگ جلائی، روٹی کو آگ پہ رکھ دیا۔ جب وہ گرم ہو گئی تو کھانے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ روٹی کھا رہا تھا کہ خاندان کے افراد ایک ایک کر کے اٹھنے لگے۔ شہہ پری نے بھائی سے پوچھا:

''آج میرے لیے چھری لاؤ گے نا؟''

ابھی تک بات ختم نہ ہوئی تھی کہ مرید بول پڑا:

''آپ میرے لیے کپڑا کب خریدیں گے؟۔ عید پہنچ گئی، سارے بچے اپنے نئے کپڑے پہنیں گے۔''

دل مراد نے کہا، ''مرید جان! تمہارے لیے تین گز کپڑا اور محمد خان کے لیے ایک اچھا ربڑ والا جوتا''۔

بچے خوش ہو گئے اور ہر ایک اپنی چیز کے بارے میں باتیں کرنے لگا جس کے کہ وہ مالک بننے والے تھے۔ اچانک مرید کو گندم کی مرغن روٹی یاد آئی۔ اس نے آہستگی سے محمد خان سے کھسر پھسر کی۔

''کل رات عید ہے، گندم کی مرغن روٹی کھائیں گے۔''

محمد خان نے جواب دیا: ''نہیں بھائی، ہماری تمہاری گندم کی روٹی خان نے چھین لی۔ پچھلے سال میں خرمن پر گیا اور دیکھا کہ ہمارے لیے گندم کا ایک دانہ بھی نہ بچا۔ اب تم کہاں سے گندم کی مرغن روٹی کھاؤ گے۔''

مرید نے سرد آہ نکالی اور دل مُراد سے پوچھا: ''لالا آپ نے حاجی خان کو گندم کیوں دے دی؟۔ تمہیں گندم کی روٹی اچھی نہیں لگتی کیا؟۔ میرا دل ہمیشہ گندم کی روٹی کھانے کو کرتا ہے۔''

دل مُراد نے کہا: ''مرید جان گوشت ہر کسی کو اچھا لگتا ہے مگر بلی تو اس پر جان دیتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم گندم کی روٹی کھاؤ، مگر وہ حاجی خان تم سے چھین لیتا ہے۔ وہ دن ضرور آئے گا جب ہم اتنی طاقت اپنے اندر پیدا کر لیں گے کہ اپنی گندم اس کے پیٹ سے نکال سکیں۔''

دل مُراد اس بات کے بعد تھوڑی دیر کے لیے فکر میں پڑ گیا۔ پھر کوشش کرنے لگا کہ اپنے خاندان کے افراد کو قائل کر لے کہ ان کے مطالبات کو پورا کرنے کی طاقت اُس میں نہیں ہے۔ مگر وہ کسے کہے۔ ایک جوتا مانگتا ہے، دوسرے نے چھری لانے کا وعدہ لیا، اور ایک اور خانہ خراب نے ضد باندھ لی کہ کل نئے کپڑے پہنے گا اور گندم کی روٹی کھائے گا۔ دل مُراد جو بھی دلیل دیتا، ہار جاتا۔ ابھی یہ تنازع جاری تھا کہ پڑوسی کیچی نے دل مُراد کو آواز دی۔

''دل مُراد.....دل مُراد.....''

دل مُراد گھر سے نکلا۔ کلہاڑی کندھے پر رکھا یا ور کام پر روانہ ہوا۔ مرید پیچھے سے پکارا اٹھا:

''لالا! بھولنا نہیں!''

****

کیجی اور دل مُراد اپنے کام کی جگہ کی طرف چل دیے۔ جب پہنچے تو اللہ داد نے پوچھا:

''سردار زادو! کیوں دیر سے آئے ہو؟''

دل مُراد نے کہا: ''خان صاحب آج کچھ دیر ہو گئی ہے''۔

اللہ داد نے کہا:

''اگر دوبارہ دیر سے پہنچے تو گلہ نہ کرنا کہ میں نے تمہیں گھروں سے نکال دیا ہے۔''

ہر شخص کام میں مصروف ہوا۔ دوپہر کو دل مُراد کو یاد آیا کہ اس نے اپنے بہن بھائیوں سے قول کیا ہے کہ ان کے مطالبات پورے کرے گا۔

چنانچہ وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان کے مطالبات کو پورا کیے بنا وہ اُسے چین سے رہنے نہیں دیں گے۔ اُس کا مزاج ٹھیک نہ تھا۔ اسے پتہ نہ تھا کہ کس طرح وہ کلہاڑی کو اوپر نیچے کر رہا تھا۔ اچانک کلہاڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹی اور دائیں پیر کی تین انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ خون ندی کی طرح بہنے لگا۔ وہ آہ کر کے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ کسان یہاں وہاں سے جمع ہوئے اور تسلی دینے لگے۔ اس اثنا میں اللہ داد کی نظر اس پر پڑی۔

''بد بخت، ایک تو صبح دیر سے آئے ہو اور پھر کام سے جان چھڑانے کے لیے جان بوجھ کر اپنے پاؤں کو زخمی کر دیا''۔

اللہ داد کو پتہ تھا کہ دل مُراد کے پاؤں کی تین انگلیاں کٹ گئی ہیں۔ خون اور آنسو اس کے دل پر اثر نہیں کرتے۔ وہ اپنے نفع اور مفادات کا دیوانہ تھا۔

کیجی نے ہمت کی اور کہا: ''پرواہ نہیں۔ اس کا کام ہم کریں گے۔''

اللہ داد ناراض ہو گیا۔

''جاؤ گم ہو جاؤ۔ تم بھی میرے سامنے زبان چلانے کے لائق ہو گئے ہو، اگر مرد ہو تو خود اپنا کام کرو۔ بے غیرت''۔

دل مُراد کا زخم بہت درد کر رہا تھا، اس نے خود سے کہا،

''واقعی کہ ہم بے غیرت ہیں۔''

****

کسانوں نے باہمی گفتگو میں اللہ داد پر بہت لعنت بھیجی اور انھوں نے ایک دوسرے کی مدد سے جلد ہی دل مُراد کے بہتے خون کو کنٹرول کیا۔ گل خان نے اپنی جیب سے نسوار کی ڈبیا نکالی، اس کا ڈھکن کھول دیا اور نسوار کو زخم پر چھڑک دیا، اپنے سر سے پگڑی اتاری، اس میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر زخم پر مضبوطی سے باندھ دیا۔ جب دل مُراد کو کچھ قرار آیا تو اس نے انہیں اپنی سرگزشت بتا دی۔

گل خان نے اس سے کہا:

''تم خود دیکھ لو میرے پاس چپل نہیں ہیں، کپڑے بھی پھٹے پرانے ہیں مگر چھری میرے پاس ہے، تم یہی چھری لے جاؤ اور شاہ پری کو دے دو۔''

دل مُراد نے انکار کیا مگر گل خان نے اُسے مجبور کیا کہ وہ چھری لے لے۔ سارے کسانوں نے اس سے کہا کہ اس کے حصے کا کام وہ کر لیں گے اور وہ گھر چلا جائے۔

دل مُراد لنگڑاتے لنگڑاتے گھر کی طرف چل دیا۔ جب گھر کے قریب پہنچا تو حاجی خان کے گھر کی طرف چل دیا۔

حاجی خان کی نوکرانی کی بیٹی آئی اور پوچھا، ''کیا بات ہے؟''

دل مراد نے کہا کہ، اگر حاجی خان گھر میں ہے تو اسے کہہ دو کہ میرا اس سے کام ہے۔

نوکرانی کی بیٹی حاجی خان کے پاس گئی اور دل مُراد کا پیغام پہنچایا۔

''تم پہلے تھوڑا پانی لاؤ میں وضو کرلوں۔ اس کے بعد جا کر دل مُراد سے کہو کہ آ جائے۔''

دل مُراد اندر آیا۔ اس نے دیکھا کہ حاجی خان وضو کر رہا ہے۔ حاجی خان انگلی سے اپنے دانتوں کو صاف کر رہا تھا۔ اس نے منہ سے انگلی نکالی اور سلام کا جواب دیا اور پوچھا:

''کیوں آج کام پر نہیں گئے؟''

دل مراد کی خواہش تھی کہ حاجی کان کے ساتھ کوئی اور نہ ہو۔ اس نے یہاں وہاں نگاہ دوڑائی اور دیکھا کہ وہاں اور کوئی نہیں ہے۔ اس نے اپنے آپ سے پوچھا:

''کیا اس نے مجھے لنگڑاتے ہوئے نہیں دیکھا؟'' وہ ابھی تک اسی فکر میں تھا کہ حاجی خان نے پھر اسے پکارا:

''میں تم سے بات کر رہا ہوں تم بہرے ہوئے ہو کیا؟۔ میں نے تم سے پوچھا کہ تم آج کام پر کیوں نہیں گئے ہو؟''

دل مُراد نے لاچار ہو کر جواب دیا:

''خان صاحب میں گیا، دیر تک کام کیا۔ اچانک کلہاڑی میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور میرے پاؤں پر لگ گئی اور میری تین انگلیاں کٹ گئیں۔ میرے حصہ کا کام دوسرے کسان کر رہے ہیں۔ میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ کل رات عید ہے اور ہم بھوکے ننگے ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی بھی۔ آپ تو اُسے جانتے ہیں مرید کو!۔ وہ گندم کی روٹی چاہتا ہے۔ مہربانی کر کے دو سو افغانی اور ایک من گندم دے دیں۔''

حاجی خان غرا کر بولا:

''تم اب تک اپنے باپ کا لیا ہوا قرض نہ چکا سکے۔ اب تمہیں قرض مانگتے ہوئے حجاب نہیں آتا؟۔ تمہارے مرید کا دل اگر گندم کے لیے للچاتا ہے تو اس کے لیے گندم پیدا کرو۔ میرے پاس ہر کسی کو قرض دینے کے لیے گندم نہیں ہے۔ کل میں تم سے قرض واپسی مانگوں گا تو تم کہاں سے

دو گے؟۔ ہر کسی کا دل چاہتا ہے کہ گندم کی روٹی کھائے مگر جب نہ ہو تو آدمی کیا کرے۔ شکر کرو کہ خدا نے تمہیں دو آنکھیں اور دو ہاتھ دیے ہیں۔''

دل مُراد نے بہت فریاد کی مگر بے سود۔ ہر دفعہ یہی جواب ملا کہ کل میں اپنا قرضہ کہاں سے وصول کروں گا؟

دل مُراد نا امید ہو گیا، لنگڑاتا ہوا اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا تو دُرخاتون نے پوچھا:

''میرے لال، تمہارے پاؤں کو کیا ہوا؟''

دل مُراد نے ماں کو یوں جواب دیا:

''ماسی جان، سچی بات یہ ہے کہ کلہاڑی چلاتے وقت میرا دھیان محمد خان کے ننگے پیروں مرید کے پھٹے پرانے لباس اور شاہ پری کے بھوکے پیٹ کی طرف تھا۔ بے خیالی میں پتہ نہ چلا کہ کلہاڑی میرے پاؤں پر لگ گئی اور تین ناخن کاٹ گئی۔ بہت خون گیا۔ میرے ساتھیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو وہ میری مدد کو آئے۔ یہ ہے سارا قصہ اب مجھے پینے کے لیے تھوڑا پانی دے دو۔''

دُرخاتون نے اسے پانی کا کٹورا دے دیا۔ پانی پیتے پیتے اس نے سر کٹورے سے اٹھا لیا اور ماں سے پوچھا:

''ماسی جان! کل رات واقعی عید ہے؟''۔

ابھی ماں نے جواب نہ دیا تھا کہ گھر کے ایک طرف سے چھوٹا مرید ظاہر ہوا اور جونہی اس کی نظر دل مُراد پر پڑی وہ خوشی سے دمک اٹھا:

''لالہ جان! میرے لیے کپڑے لائے؟۔ کل رات عید ہے ہم لازماً گندم کی روٹی کھائیں گے۔''

دل مُراد کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے سر جھکا لیا اور چپکے سے اپنے آنسوؤں کو چادر کے کونے سے صاف کر لیا اور آہستگی سے اُسے جواب دیا:

''نہ محمد خان کے لیے جوتا لایا ہوں اور نہ مرید کے لیے کپڑے اور گندم۔ اس لیے کہ آج

اپنے لنگڑے پاؤں کے ساتھ، حاجی خان کے پاس گیا تھا قرضہ لینے مگر اس نے بھی قرض نہیں دیا اور کہا کہ تم نے ابھی تک اپنے باپ کا قرض مکمل طور پر چکایا نہیں، جاؤ دفع ہو جاؤ، بڑے آئے گندم کی روٹی کھانے والے!''۔

مرید رونے لگا۔

دن ڈھل گیا مغرب کا وقت ہو گیا۔ محمد خان گھر آیا جونہی گھر داخل ہوا تو بیٹھنے سے پہلے ہی محمد خان نے پوچھا:

''بھائی میرے جوتے کہاں ہیں؟''

''نہیں خریدے۔ بھائی کوئی بھی قرضہ نہیں دیتا۔''

رات گزر گئی، دن بھی تمام ہوا اور عید کی شام پہنچ گئی۔ مرید اور محمد خان ضد کرتے رہے اور بہت روتے رہے۔

وہ جوار کی خشک روٹی چبا کر سو گئے۔

صبح ہوئی تو گاؤں کے لوگ حاجی خان کے گھر جانے لگے تاکہ اسے عید مبارکی پیش کریں۔ دل مُراد نے سوچا کہ اگر وہ حاجی خان کے گھر عید مبارکی کے لیے نہیں جائے گا تو وہ ناراض ہو جائے گا۔ مجبوراً اس نے اپنے بھائیوں کو ساتھ لیا اور لنگڑاتا ہوا آگے آگے ہو گیا اور بھائی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ مگر ناترس حاجی خان نے عید ملنے سے پہلے ان سے کہا:

''محمد خان، آج گائے چرانے نہیں گئے؟''

''خان صاحب آج عید ہے اور میں میلے پر جاؤں گا۔''

''غریب آدمی اور میلہ! جلدی گائیں نکال کر چراگاہ لے جاؤ۔''

محمد خان کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ آج گائیں چرانے جائے۔ اُس نے سر جھکا لیا۔

مرید نے حاجی خان سے گلہ کیا:

''حاجی صاحب آپ نے بھائی کو پیسے نہیں دیے کہ وہ میرے لیے کپڑے خرید لاتا۔''

حاجی خان نے اس چھوٹے بچے کی بات کے جواب میں درشت لہجے میں کہا:

''تمہارا دادا میرا مقروض تھا جب تک اس کا قرضہ ادا نہ کرو گے، نیا قرضہ نہیں مل سکتا۔''

اس دوران حاجی خان کا چار سالہ بیٹا کریم بخش آیا جس کے ہاتھ سرخ تھے اور اس نے نیا لباس پہن رکھا تھا۔ مرید اس کے پاس گیا اور پوچھا:

''کریم بخش! تمہارے ہاتھ کس قدر خوب صورت اور سرخ ہیں جیسے کہ مہندی لگی ہو؟۔ تمہارے پاس بہت اچھا لباس ہے''۔

پھر اس نے دل مُراد کی طرف منہ کیا اور کہا: ''لالہ جان! میرے لیے اسی طرح کے کپڑے لائیں گے ناں؟''

کریم بخش گھر سے باہر نکلا اور اس بار اس کے ہاتھ میں کلچہ تھا مرید اس کے پاس گیا اور کہا، ''گندم کی روٹی کا ٹکڑا مجھے دے دو۔''

''نہیں یہ کلچہ ہے۔ کیا تم گندم کی روٹی نہیں پہچانتے؟۔ تم لوگ عید کے روز کلچہ نہیں کھاتے ہو کیا؟''۔

مرید نے سرد آہ بھر کر کہا: ''نہیں!''

''کیوں؟''۔

''اس لیے کہ ہمارے پاس ہے نہیں۔''

مرید نے پھر کہا،

''مجھے ٹکڑا دو گے؟''

''نہیں، مٹی کھاؤ۔''

''مٹی کھائے تمہارا باپ۔ وہ شخص جو دیکھ رہا ہے وہ کھا لے۔''

دل مُراد نے ڈر کر اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکلا۔ عید کا اُن کا یہ دن دوسرے دنوں کی طرح گزر گیا۔ ان کے لیے عید اور نہ عید میں کوئی فرق نہ تھا۔

عید اور دیگر شب و روز گزرتے گئے۔ اور سال گزرتے گئے مگر محمد خان کے پھٹے ہوئے پیروں کو جوتے نہ ملے۔ مرید کا خستہ حال لباس تبدیل نہ ہوا۔ مرید اور محمد خان رات دن اپنے ان

سوالات کے جواب کے پیچھے پھرتے رہے جو اُن کے لیے پیدا ہو گئے۔ وہ اپنے آپ سے سوال کرتے:

''کیوں حاجی خان جو کہ کھانے اور سونے کے علاوہ کچھ کام نہیں کرتا' اچھے کپڑے پہنتا ہے، اچھی چیزیں کھاتا ہے اور ہر چیز کا مالک ہے؟۔ کیوں؟۔ ہم سارا کام کرتے ہیں پھر بھی ہم نان شبینہ سے محتاج ہیں اور اس سے قرض مانگنے پر مجبور ہیں؟''۔

وہ کبھی خود کو دلاسہ دیتے کہ حاجی خان کے پاس زمین ہے۔ اس کی چٹائیوں سے بنے ذخائر غلے سے بھری ہیں۔ وہ بھیڑ بکریوں کا ریوڑ رکھتا ہے۔ اس کے پاس اونٹوں کا گلہ ہے، گائیوں کا گلہ ہے۔ اس کے پاس گھوڑیاں بھی ہیں۔

مگر وہ اس جواب سے مطمئن نہ ہوتے اور کسی دوسرے جواب کی تلاش میں رہتے مگر وہ جواب انہیں نہ مل سکا۔

سردیاں گزر گئیں، موسمِ بہار آیا۔ فصل پک گئی۔ کسانوں نے درانتی تیز کر دی، فصل کی کٹائی کی، اور ایک جگہ جمع کر کے خرمن بنا لیا۔ گاہ کر کے اسے باریک کر دیا گیا۔ غلہ اور بھوسہ کو جدا کر دیا گیا۔ کچھ راتیں کسان خرمن پر سوتے رہے۔ اب وہ وقت قریب آیا کہ اناج تقسیم ہو اور کسان ایک سال اپنا پسینہ بہانے کی پیداوار حاصل کریں۔ کسانوں کے چھوٹے بچے خوش تھے اور اس خواہش میں تھے کہ گندم کی روٹی کھائیں گے۔ مگر ان کے باپ اور بھائی اچھی طرح جانتے تھے کہ اس طرح کے سیکڑوں خرمن بھی حاجی خان کے ذخیروں اور گوداموں کو بھر نہیں سکتے۔ اس بڑے خرمن سے انہیں کچھ نہ ملے گا۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں کے ساتھ گھر جائیں گے اور نئے قرض اور نانِ شبینہ کی فکر کریں گے۔

صبح کاذب کو جب کہ محمد خان، مرید اور شاہ پری سو رہے تھے۔ دل مُراد خرمن کی طرف روانہ ہوا۔ جس وقت مرید نیند سے جاگا اور ہر طرف نظر دوڑا کر دل مُراد کو نہ دیکھا تو اچانک اُسے ہوش آیا کہ آج تو خرمن اٹھانے کا دن ہے۔ اس نے سوتے ہوئے محمد خان کی آہستہ سے چونڈی کاٹی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور مرید کو مارنا چاہا۔ مگر اس نے یک دم بھاگ کر ماں کی آغوش میں پناہ لے

لی۔ تھوڑی دیر بعد جب محمد خان اپنا غصہ پی چکا تو اس نے کہا:

''یارالالہ! تم شام کو جب گائیں چرا کر واپس آؤ اور ماں گندم کی روٹی پکالے' اور ہم کھاتے جائیں، کھاتے جائیں، کھاتے جائیں.....تو کتنا اچھا ہو۔ خیر سے آج رات گندم کی روٹی کھائیں گے۔ ہیں ناں؟''۔

محمد خان نے نفی میں سر ہلایا اور کہا، ''مرید جان! پچھلے برس جب خرمن کو تقسیم کیا گیا تو ہمارے لیے کچھ نہ بچا تھا اور میں نے گھر سے گندم کی روٹی کا ایک نوالہ بھی نہیں کھایا تھا۔ گل خان کے گھر گیا تھا اس کی بیوی نے مجھے ایک ٹکڑا گندم کی روٹی کا دیا تھا۔ اس سال کہاں سے آئے گی گندم کی روٹی؟''۔

مرید کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''اڑے ایسے نہ کہو، کیوں نہیں کھائیں گے؟۔ ہمارے بھائی نے پورے ایک سال تک محنت کی''۔

دوپہر کو ملا عبدل اور حاجی خان اللہ داد کے ساتھ خرمن پر آ گئے۔ فصل کے چار حصے کیے گئے۔ مالک نے آدھا مالیہ اور ٹیکسوں کے نام پر لے لیا اور تیسرے حصے سے ملا عبدل، لوڑی اور دوسروں کا حصہ دیا۔ چوتھے حصے کو چھ حصوں میں بانٹ دیا۔ ہر کسان ایک دنبے کی مینگنی ڈھونڈ لایا اور اس پر ناخن سے مخصوص نشان لگا کر ملا عبدل کی ٹوپی میں ڈال دیا۔ ملا عبدل نے اپنی ٹوپی ہلائی اور جب یہ ساری مینگنیاں مکس ہو گئیں تو ایک بچے کو بلا لیا تا کہ ٹوپی میں سے ایک ایک مینگنی اٹھا لے۔ بچہ آیا اور ایک ایک مینگنی ٹوپی سے نکالتا گیا۔ ہر ایک کسان کا حصہ علیحدہ ہوتا گیا۔

مرید کی سمجھ میں تقسیم کا یہ طریقہ نہ آیا، اس نے دل مُراد سے پوچھا:

''لالہ، آپ کیوں اپنے حصے میں سے بیورغ کو بھی حصہ دیتے ہیں جب کہ اس نے آپ کے ساتھ کام نہیں کیا؟''۔

دل مُراد نے آہستگی سے اسے سمجھایا کہ اُس نے ہمارے ساتھ کام تو نہیں کیا مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر چھ آدمیوں میں سے ایک خدمتی کے بطور حاجی خان کے لیے کام کرتا ہے۔ یہ

لازم ہے کہ اُسے حصہ دیگر کسانوں کے حصے سے دیا جائے۔ بیورغ حاجی خان کے گھوڑوں کو پانی دیتا ہے، چھوٹے موٹے کام کرتا ہے، مغرب کے وقت گایوں کو باندھتا ہے، لکڑی وغیرہ لاتا ہے، اور مہمانوں کی خدمت کرتا ہے''۔

حاجی خان کو اُن کی باتیں اچھی نہ لگیں۔ اس نے ننھے مرید کو ڈانٹا:

''تم اتنے چھوٹے ہو کہ تم نے ابھی تک شلوار بھی نہیں پہنی پھر بھی باتیں بڑی کرتے ہو۔''

حاجی خان نے دل مُراد کی طرف غصیلی نظروں سے دیکھا اور ملا عبدل سے کہا؛ ''جاؤ کاپی لاؤ، دیکھو اس پر قرضہ کتنا ہے؟''۔

اللہ داد نے کاپی ملا عبدل کے ہاتھ میں تھما دی۔ اس نے کاپی کھولی اور دل مراد کا کھاتا ڈھونڈ کر پڑھنے لگا: ''چالیس من گندم، دوبارہ 28 من جوار، پھر آٹھ من گندم، پھر تیرہ من جوار، پھر 500 افغانی نقد، لنگی کی قیمت 325 افغانی، پھر 270 افغانی، گائے کے گوشت کی مد میں 75 افغانی، پھر جوار کی قیمت سے 800 افغانی.....''

دل مُراد نے اس بہی کھاتے کو نہ مانا اور کہا:

''اے فرشتے !!! ۔ایک عرصہ گزرا کہ ہمارے گھر گندم کی روٹی کھلانے کے لائق کوئی مہمان آیا ہی نہیں۔ میں نے ایک بار 15 من جوار اور 30 من جوار، اور اسی طرح 5 سیر گائے کا گوشت جس کی فی سیر سات غران قیمت تھی اور آپ کی پرانی لنگی جس کی قیمت آپ نے 75 افغانی بتائی تھی، لیے تھے۔ خدا کے لیے کچھ انصاف کریں۔ یہ کیسی بے عدالتی ہے جس کا بوجھ آپ ہمارے کندھوں پر لاد رہے ہیں؟''۔

حاجی خان غضب ناک ہوا اور کہا:

''بے عقل آدمی ! کیا میں جھوٹ بولتا ہوں؟۔ میری تحریر جھوٹی ہے کیا؟۔ لنگی میں خود پچھلے سال کابل سے 180 افغانی پر خرید لایا تھا جو تمہارے سر پر بندھی ہوئی ہے۔ کل کھایا اور آج انکاری !!۔ بولو یہ سب جھوٹ ہے؟۔ لعنت ہو تمھارے اعتبار پر، کیچی تم کہو، یہ شخص تو اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے۔ تمہیں یاد آتا ہے کہ ایک جمعہ کے روز میں نے اس لعنتی کو پیسے دیے تھے؟۔''

کس کو جرأت ہو سکتی ہے کہ یہ کہے کہ حاجی تمہاری تحریر جھوٹی ہے، تمہاری باتیں جھوٹی ہیں، خان صاحب تم جھوٹ بولتے ہو؟۔

کیچی نے جواب دیا:

''واللہ حاجی صاحب، کیا کہوں مجھے یاد نہیں آتا کہ آپ نے کس کو نقد پیسے دیے ہوں۔''

جس وقت حاجی خان نے ''مجھے یاد نہیں آتا'' کے الفاظ سنے تو اس کے کان سرخ ہو گئے۔ دل مُراد وہ واحد شخص نہ تھا جس سے زیادہ وصولی ہو رہی تھی مگر باقی لوگ تو ڈر کے مارے کچھ کہہ بھی نہ سکتے تھے۔ اس لیے کہ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ایسے خان ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے جو اُن کی باتیں سنیں۔ اقتدار والے لٹیرے پاک جذبات نہیں رکھتے۔ کہیں بھی عدالت و انصاف کی جگہ نہیں ہے کہ زنجیر ہلا دینے سے ہر پولیس کا سپاہی، وزیر و گورنر اُس کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ اس لیے کہ چیونٹیاں میٹھی چیزوں کی طرف جاتی ہیں۔ وہ ان سے تحائف لیتے ہیں، ان سے گھی اور شہد لے سکتے ہیں، اس لیے اپنا ضمیر بیچ دیتے ہیں۔

ہر سال کسانوں پر بوجھ بڑھا دیا جاتا تھا۔ دل مُراد پر قرضہ آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا مگر یہ کیسا قرضہ تھا کہ سال کے آخر تک اچانک کئی گنا بڑھ جاتا۔ حاجی خان نے فیصلہ کر لیا کہ دُرخاتون اور شاہ پری کو اپنی گھریلو ملازمہ بنا لے۔ اب محمد خان بھی بڑا ہو گیا تھا۔ اس نے گائیں چرانے چھوڑ دیے اور حاجی خان کا کسان بن گیا ہے۔ مرید بھی بڑا ہو گیا وہ اب آٹھ سال کا ہے۔ وہ گایوں کو گاؤں سے باہر لے جا سکتا ہے۔ حاجی خان نے بیورغ کو دُرخاتون اور شاہ پری کو بلانے بھیجا:

''تمہیں معلوم ہے کہ حاجی خان کی ملازمہ کچھ دن پہلے مر گئی۔ اس کے بعد سے اب تک حاجی خان نے اچھا کھانا نہیں کھایا۔ انہیں معلوم ہے کہ تم اچھا کھانا پکاتی ہو۔ اس لیے انہوں نے تمہیں بلانے کے لیے مجھے بھیجا۔ تمہارا کام آسان کرنے اور ہاتھ بٹانے کے لیے انہوں نے کہا کہ شاہ پری کو بھی ساتھ لاؤ۔ صبح سویرے آیا کرو، آٹا گوندھو اور دوپہر اور رات کا کھانا پکانے کے بعد اپنے گھر جایا کرو۔''

دُرخاتون نے کہا: ''ہم نہیں آتے۔ اُس نے اپنی پچھلی ملازمہ کے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا کہ ہمارے ساتھ کرے گا۔ ہم کیوں مصیبتیں جھیلیں اور جا کر خود کو اُس کے لیے جلائیں۔''

بیورغ واپس ہوا اور ان کا پیغام پہنچایا۔ حاجی خان بہت ناراض ہوا اور اس نے اللہ داد کو آواز دی اور کہا:

''جلدی جاؤ دُرخاتون اور شاہ پری کو اپنے ساتھ لاؤ اور وہ نہ آئیں تو انہیں بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے یہاں تک لاؤ۔''

اللہ داد گیا اور دل مُراد کے گھر میں گھسا۔ درخاتون اور شاہ پری کو زبردستی نکالا اور حاجی خان کے باورچی خانے میں لے گیا۔

حاجی خان نے اپنی لمبی داڑھی پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

''دُرخاتون! اگر شاہ پری چھوٹی ہے تو تم تو بڑی ہو اور جانتی ہو کہ میرا مقصد تمہاری دست گیری کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ میری خواہش یہ ہے کہ تمہارے قرض کا بوجھ ہلکا ہو اور صرف اس لیے میں نے تمہیں ملازمہ کے طور پر رکھ لیا۔ تم خوش ہو جاؤ، کام کرنا کوئی عیب نہیں ہے۔ تم دل مُراد اور محمد خان کا ہاتھ بٹاؤ۔ ہر سال فی شخص پانچ، پانچ من جوار دوں گا۔''

اس طرح وہ کوشش کرنے لگا کہ دُرخاتون کا دل جیت لے مگر دُرخاتون کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ باتیں جھوٹی ہیں۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اُسے اتنا معلوم تھا کہ ان پر ظلم ہوگا، ان کا خون پسینہ چوسا جائے گا، ان کا استحصال ہوگا۔ اسے خود کو بچانے کی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔

حاجی خان نا ترس آدمی ہے، ترس نہیں رکھتا۔ اس کا دین، ایمان، مذہب سب کچھ پیسہ ہے۔ وہ پیسے کے لیے سب کچھ کر گزرنے کے لیے تیار رہتا ہے اور ایک ایک ٹکے کے لیے کتے کی طرح اِدھر سے اُدھر بھاگتا رہتا ہے۔

دُرخاتون ایک سال تک تنور میں خود کو جلاتی رہی مگر صلہ کچھ نہ ملا۔ وہ حاجی خان کو اچھی طرح جانتی تھی۔ سال کے آخر میں وہ اس انتظار میں تھی کہ وہ انہیں دس من جوار دے گا مگر انہیں بعد میں پتہ چلا کہ اُن کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ ان پر قرض بڑھا چڑھا کر لکھا گیا ہے۔ کبھی کبھی حاجی خان کی بیگم ترس کھاتی اور کوئی پھٹا پرانا لباس یا رضائی درخاتون کو دے دیتی تو وقت گزرنے کے بعد

حاجی خان کہتا:

''تمہاری ماں نے بی بی سے فلاں وقت فلاں چیز لی تھی، اس کی قیمت اتنی بنتی ہے''۔

باب دوم

سال گزرتے رہے، شاہ پری بوسیدہ کپڑوں اور بھوک پیاس کے ساتھ شب و روز گزار کر بڑی ہوگئی ہے اور اب دُرخاتون کا ہاتھ خوب بٹا سکتی ہے۔ اگر درخاتون پانی ڈھو کر لاتی ہے تو وہ آٹا گوندھتی ہے اور اگر درخاتون آٹا گوندھتی ہے تو شاہ پری کوئی اور کام کرتی ہے۔

ایک دن عصر کے وقت، جب درخاتون نے اپنی بیٹی سے کہا کہ تم تنور جلاؤ، میں آٹا گوندھتی ہوں۔ شاہ پری نے دیکھا کہ اوپلے کم ہیں تو وہ باڑھ میں چلی گئی اور بیلوں کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اللہ داد بہت عرصے سے شکاری بلی کی طرح اس کی ٹوہ میں تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ تنہا بیلوں کے کمرے میں گئی تو وہ اس کے پیچھے گیا۔ اس نے بازو پھیلائے اور اسے گلے لگا لیا اور چہرے پہ بوسے دینے لگا۔ دوسری طرف درخاتون نے دیکھا کہ بیٹی نے دیر کر دی تو شاہ پری کے پیچھے آئی اور باڑھ کے دروازے سے آواز دی:

''شاہ پری او شاہ پری!''

بیٹی نے جواب دیا، ''کیا ہے؟''

''کیوں دیر لگا دی میری بچی؟''

اِسی اثنا میں اللہ داد نے لڑکی کو چھوڑ دیا اور بیلوں کے پیچھے چھپ گیا تاکہ درخاتون اسے نہ دیکھے۔

شاہ پری نے روٹی پکانے کا کپڑا سر پر اٹھا لیا اور رات کو ماں کو بتا دیا کہ اللہ داد نے اس کی عزت لوٹنے کی کوشش کی ہے۔ ماں حیران تھی کہ کیا کرے اور اپنے بیٹوں کو بتائے یا نہیں۔ اس نے سوچا کہ اگر دل مُراد اور محمد خان کو بتا دے تو وہ لڑائی کریں گے اور ان کی حالت اور اوقات تلخ

ہو جائیں گے۔ اس نے خود سے فیصلہ کر لیا کہ آج کے بعد وہ اپنی بیٹی کو تنہا نہیں چھوڑے گی۔

موسم سرما میں ایک سرد دن جب بارش یتیموں کے آنسوؤں کی طرح برس رہی تھی، دُرخاتون کے سر میں سخت درد ہوا۔ ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اس کے اردگرد اندھیرا چھا گیا۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کپڑا کو دور کر دیا اور آٹے کو دیکھا کہ لیس دار ہوا یا نہیں۔ اور شاہ پری نے بھی تندور جلایا۔ اس نے آٹا اٹھایا اور تندور کے کنارے بیٹھ گئی۔ شاہ پری نے دیکھا کہ ماں کی طبیعت سخت خراب ہے۔ اس کی آنکھیں انار کی طرح سرخ ہو گئیں۔

وہ ماں سے کہنے لگی:

''اماں جان! تم بیمار ہو۔ آرام سے بیٹھو میں روٹیاں لگا لوں گی''۔

شاہ پری نے ہاتھ بڑھایا بیلن ہاتھ میں لیا، اور آٹے کا ایک گولہ بنایا تو درخاتون نے اس سے کہا:

''میری بیٹی، تم ابھی چھوٹی ہو اور اتنا آٹا سنبھالنے کی قوت نہیں رکھتی ہو۔ جانتی ہو اگر کوئی روٹی جل جائے تو حاجی خان کا گھرانا ہم پہ ٹوٹ پڑے گا۔ تم خود دیکھ رہی ہو کہ وہ ہمیں اپنی لونڈی سمجھتے ہیں۔''

شاہ پری نے کہا:

''دیکھا جائے گا۔ آپ خود کو پریشان نہ کریں''۔

درخاتون خاموش ہوئی اور کچھ دیر بعد بولی، ''پتہ نہیں کب اس کتی جیسی زندگی سے جان چھوٹے''۔ اس نے ہاتھ بڑھایا کہ شاہ پری کے ہاتھ سے نان لے لے مگر شاہ پری نہ مانی۔

''ماسی جان (اماں جان) تمہارے سر میں درد ہے۔ تندور کی حدت تمہیں مزید نقصان دے گی۔ میں نہیں چاہتی کہ تم تکلیف میں رہو۔ جو بھی ہو میں روٹیاں خود پکاؤں گی''۔

ماں پرے ہٹ کر بیٹھ گئی۔

اس کے سر میں اس قدر درد تھا کہ وہ سانپ کی طرح بل کھانے لگی اور بھول گئی کہ شاہ پری کی رہنمائی کرے۔

شاہ پری نے ساری روٹیاں پکائیں۔ان میں سے ایک ذرا سی کالی ہوگئی۔روٹیاں جب ٹھنڈی ہوگئیں تو انہیں اکٹھا کیا۔دسترخوان کو اٹھایا اور خان کے گھر چلی گئی۔جب وہاں پہنچی تو دیکھا کہ بی بی قالین پہ دراز ہے۔اس نے سلام کیا اور کہا:

''بی بی صاحب! آج روٹیاں میں نے پکائیں۔''

حاجی خان کی بیگم نے پیشانی پر بل ڈالے اور کہا:

''یہاں لاؤ میرے سامنے رکھو۔''

شاہ پری نے روٹیاں اس کے سامنے رکھ دیں۔اس نے روٹیاں دیکھتے ہوئے پوچھا:

''درخاتون نے روٹیاں کیوں نہیں پکائیں؟''

''اس کے سر میں شدید درد تھا۔''

بی بی صاحبہ نے دسترخوان کا کونا سرکایا اور جب دیکھا کہ ایک روٹی تھوڑی سی جلی ہوئی تھی تو اس نے روٹیاں وہیں چھوڑ دیں اور شاہ پری کو کندھوں سے پکڑا اور پوری قوت سے اسے مارا پیٹا۔ یہ پہلا تحفہ تھا جو اس نے بی بی صاحب کے ہاتھوں سے وصول کیا۔بعد میں تو ہر روز کسی نہ کسی بہانے وہ اسے پیٹتی رہتی۔

شاہ پری آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔جب اس نے اپنی بیٹی کو دیکھا تو اس سے پوچھا:

''میری جان کیا ہوا؟''

شاہ پری نے سوچا کہ اگر سچ بولے تو ہوسکتا ہے ماں ناراض ہو جائے۔اس نے جھوٹ گھڑ لیا اور کہا:

''ماسی جان' کچھ نہیں ہوا' میرا دل تمہاری حالت پہ بھر آیا''۔

''اچھی بیٹی، یہ حالت سدا نہیں رہے گی۔میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔تو فکر نہ کر اور اپنی ماں کے لیے آنسو نہ بہا۔آ میرے پاس بیٹھ۔''

شاہ پری اپنی ماں کے پہلو میں بیٹھ گئی اور ماں نے اس کے آنسو اپنی چادر کے پلو سے

پونچھ لیے۔

''ماسی جان! رات کی روٹی کیسے پکاؤں' اوپلے بھی نہیں ہیں اور لکڑی بھی نہیں ہے''۔

درخاتون کی بات ابھی ختم نہ ہوئی کہ بڑی توند والا حاجی خان سامنے سے گزرا۔حاجی خان اپنے گھر گیا اور ابھی دروازے پر جوتے بھی نہیں اتارے کہ اس کی بیگم نے جلی ہوئی روٹی اٹھا لی اور اسے دکھانے لگی۔

''اگر شاہ پری کا علاج نہیں کرو گے تو اچھی روٹی کبھی نہیں کھا سکو گے۔دیکھو تو اب سردار زادی اپنی بیٹی کو روٹی پکانا سکھاتی ہے۔''

حاجی خان نے کہا:

''میری شہزادی، ناراض مت ہو۔میں آج ہی اسے اس طرح بھگا دوں گا کہ اسے پتہ بھی نہیں چلے گا۔تم خود جانتی ہو کہ ہمارے چرواہے دادخدا کی بیوی مر چکی ہے۔اسے اپنے بچوں کی فکر رہتی ہے اور اس لیے مویشی پہ توجہ نہیں دے سکتا۔میں شاہ پری اس سے بیاہ دوں گا تاکہ وہ بھی بے غم ہو اور مویشی کو دور چراگاہ تک لے جائے گا۔او میری پیاری بیوی، میں اس کام سے بہت فائدہ حاصل کروں گا۔شاہ پری اس کے لیے روٹی پکائے گی' اس کے بچے پالے گی' ہمارے مویشی کا دودھ دوہے گی' لسی بلوئے گی۔گھی ہماری طرف بھیجے گی۔نیز لب کے بطور اس سے بیس بھیڑیں لوں گا۔دادخدا بوڑھا ہو گیا۔وہ ستر سال کا ہے۔آج یا کل مر جائے گا۔اور اگر یہ کام نہ کروں تو اس کی بھیڑیں ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گی۔کیسا خیال ہے۔زبردست ناں؟''۔

''بہت اچھا ہے۔بہتر ہوگا کہ یہ کام جلد از جلد ہو جائے۔''

حاجی خان نے بیرگ کو بلا بھیجا۔

''تم جلدی ریوڑ کی طرف جاؤ۔وہاں مویشی چرالو اور دادخدا کو میرے پاس بھیج دو۔''

وہ چلا گیا اور دادخدا کو بھیج دیا۔جب دادخدا پہنچا اور سلام علیک کہا تو حاجی خان نے اس سے کہا:

''بہت عرصے سے تم بے غم سوتے ہو مگر تمہاری فکر مجھے لگی رہتی ہے۔ دن رات میں اور میری بیگم سوچتے ہیں کہ کہاں تمہارا رشتہ کریں۔ بہت عرصے تک سوچ بچار کے بعد ہم نے تمہارے لیے ایک اچھی لڑکی تلاش کی ہے''۔

دادخدا نے پوچھا:

''کون ہے؟''

حاجی خان نے داڑھی پہ ہاتھ پھیرا اور کہا:

''تم صبر کرو، پہلے لب کی بات ختم کریں پھر بتادوں گا کہ لڑکی کون ہے۔ یہ تمہیں بتادوں کہ شادی کے بعد دوبارہ جوان ہو جاؤ گے۔ اس لیے کہ یہ لڑکی جوان اور بہت خوب صورت ہے۔ اس جیسی دوسری لڑکی اس علاقے میں نہیں ہے۔ چاند ستاروں جیسی ہے۔''

دادخدا سمجھ گیا کہ حاجی خان کا مقصد کیا ہے۔ اس نے یہاں وہاں کی باتیں کرنے کی بجائے اپنے مال و دولت کا ذکر کیا۔

''آقا، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے اپنی پوری زندگی فقط بائیس بھیڑیں کمائی ہیں اور یہ میری ساٹھ سال کی کمائی ہے۔ اگر یہ مال آپ چاہتے ہیں تو یہ آپ پر قربان ہوں۔''

حاجی خان نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا' پھر منہ پھیر کر دادخدا کو کہا:

''ناکو دادخدا، دو بھیڑیں تمہیں بخش دیتا ہوں اور باقی بیس آج سے میری ہوئیں۔ اب تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ لڑکی کون ہے۔ وہ شاہ پری ہے دل مُراد کی بہن۔ پہچان لیا؟''

دادخدا بہت خوش ہوا کہ نوجوان اور خوب صورت لڑکی کا مالک ہو گیا۔ اس نے پوچھا:

''شاہ پری کی ماں اور بھائی مانیں گے؟''۔

حاجی خان نے کہا:

''تمہیں ان سے کیا؟۔ وہ مانیں یا نہ مانیں۔ جیسا میں چاہوں گا، ویسا ہو گا۔ میں تمہارے لیے اس لڑکی کو حاصل کروں گا۔ مگر ایک شرط پر.....وہ یہ کہ ابھی سے تمہاری بیس بھیڑیں میری ہو گئیں۔''

دادخدا نے کہا:

''میرا قول ہے کہ میرے مویشیوں میں سے بیس آپ کے۔''

حاجی خان نے ایک شخص کو ملا عبدل کو بلانے بھیجا۔ جب ملا عبدل آیا تو حاجی خان نے اس سے کہا:

''ملا صاحب، تم پہلے ایک سند لکھ دو کہ دادخدا نے اپنی بیس بھیڑیں مجھ پر فروخت کر دیں''۔

ملا عبدل نے سند لکھ دی مگر یہ بھول گیا کہ دادخدا کا انگوٹھا سند پر لگوا دے' اس نے اس سے انگوٹھا لگوایا۔ اور سند حاجی خان کو دی۔ حاجی خان نے کہا:

''اب شاہ پری اور دادخدا کا نکاح پڑھاؤ۔''

ملا عبدل نے کہا:

''دو گواہوں کی ضرورت ہے۔''

حاجی خان جو کہ بھیڑوں کا مالک بن گیا' نے کہا:

''او بابا، گواہ کو کیا کرو گے۔ وہ تمہیں بھی ایک لیلا دے گا۔''

دادخدا مان گیا۔ ان کا نکاح پڑھایا گیا۔ حاجی خان اور ملا عبدل نے دادخدا کو مبارک باد دی اور تینوں اٹھے اور تندور کی طرف گئے اور حاجی خان نے شاہ پری کا ہاتھ پکڑا اور دادخدا کے ہاتھ میں دے دیا۔

''دیکھو شاہ پری! تم اب بڑی ہو گئی ہو' باید ہے کہ اپنے بخت کے ساتھ جاؤ۔ تم اب سے دادخدا کی بیوی ہو۔ خوب غور سے سنو کہ اگر اس کے سامنے پیشانی کو شکن دو گی یا بدتمیزی کرو گی تو تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا اور اس میں بھوسہ بھر دوں گا''۔

شاہ پری نے جب اس کی بات سنی تو زار و قطار روئی اور بولی:

''تم کون ہوتے ہو مجھے میرے دادا جیسے سے بیاہنے والے؟۔ میرے بھائی ہیں اور میری ماں ہے۔ نہ صرف مجھے دادخدا برا لگتا ہے بلکہ تم سے بھی نفرت ہے۔''

حاجی خان نے اس کے بال پکڑ لیے اور اسے گھسیٹنے لگا۔ درخاتون رو کر بولی:

''واسطہ خدا کا خان صاحب! یہ مردانگی نہیں ہے کہ تیرہ سالہ بچی ستر سالہ بڈھے کو دو''۔

حاجی خان نے پیشانی پہ تیوری ڈالی۔

''بے وقوف تم اپنا نیک و بد نہیں جانتیں۔ ایک روٹی خود کھاؤ اور ایک روٹی حاجی خان کے نام پر خیرات کرو کہ اس نے تم لوگوں کو ایک روٹی خور سے نجات دلایا تا کہ زیادہ در بدر اور قرض دار مت ہو جاؤ۔''

''ملا صاحب رحم کرو، آپ کے سامنے میں اپنا سر ننگا کرتی ہوں۔ یہ کہاں کی نیکی ہے کہ آپ ہمارا گھر اجاڑ دیں۔ اگر حاجی خان کا دل داد خدا کی اندھیری راتوں کے لیے جلتا ہے، تو کیوں اپنی 35 سالہ بیٹی اسے نہیں دیتا؟''

حاجی خان کو طیش آیا اور اس سے بھی بڑھ کر ملا عبدل غضب ناک ہوا' اپنے ہونٹ کاٹے اور کہا:

''اپنا منہ بند کرو' بے ہودہ عورت۔ تمہاری زبان باید ہے کاٹ دی جائے۔ جانتی ہو اگر تمہاری بات بی بی نے سن لی تو وہ تم پر قیامت بن کر ٹوٹ پڑیں گی۔ تمہاری بیٹی بڑی ہوگئی۔ باید ہے کہ خاوند کر لے اور داد خدا سے بہتر مرد اُسے نہیں ملتا۔''

شاہ پری کو انہوں نے بیچ دیا اور داد خدا کے ہست و نیست کو اُس سے چھین لیا۔ نیز زبردستی لیا گیا ایک لیلہ ملا عبدل کو دیا گیا۔

مغرب کو دل مُراد اور محمد خان تھکے ہارے گھر کی طرف آئے۔ گھر کے قریب ایک پڑوسی نے انہیں شاہ پری کی کہانی سے آگاہ کر دیا۔

انہوں نے جب یہ خبر سنی تو دونوں کے پیر زمین میں گڑ گئے، جیسے کسی نے ساری دنیا کی گوند لگا دی ہو۔ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور دل مُراد بغیر کچھ کہے خیمے کی طرف گیا تا کہ شاہ پری کو اپنے ساتھ لائے۔ محمد خان بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔

کریم بخش ہوا خوری کے لیے باہر نکلا تھا اور دیکھا کہ دل مُراد اور محمد خان اگلے خیمے کی

طرف تیزی سے جا رہے ہیں، وہ جلدی اپنے گھر چلا گیا اور اپنے باپ سے کہا۔

''بابا، بابا.....''

''جی!''

''دل مُراد اور محمد خان تیزی سے اگلے خیمے کی طرف جا رہے ہیں جیسے شاہ پری کو لینے جا رہے ہوں۔''

حاجی خان نے کہا:

''جلد جاؤ اور اللہ داد کو ڈھونڈو اور دونوں جاؤ انہیں شاہ پری کو لے جانے نہ دو۔ میں بھی تمہارے پیچھے پیچھے آتا ہوں اور اپنی ماں کو کہو کہ میری چادر لا دے''۔

کریم بخش نے اللہ داد کو بلایا اور دونوں اگلے خیموں کی طرف بھاگے۔ وہ ابھی تک خیمے سے ذرا دور تھے کہ دل مُراد خیمے میں داخل ہوا' دیکھا داد خدا ایک کونے میں بیٹھا ہوا ہے اور شاہ پری رسی سے بندھی ہوئی ہے۔ اس نے داد خدا کو کچھ نہ کہا اور سیدھا اپنی بہن کی طرف گیا۔ شاہ پری نے جب دل مُراد کو دیکھا تو خوشی سے آنسو اس کے نازک گالوں پر گرنے لگے۔ دل مُراد نے رسی توڑ دی اور اپنی بہن کا ہاتھ پکڑ از مین سے اٹھایا اور پیشانی کو چوما اور اپنے ساتھ لے کر خیمے سے باہر نکلا۔

دل مُراد، محمد خان اور شاہ پری ابھی چند قدم بھی نہ گئے تھے کہ اللہ داد اور اس کا بھائی پہنچے اور نیز حاجی خان اور ملا عبدل دور سے نظر آئے۔

اللہ داد پہنچا اور دل مُراد کے گریبان پہ ہاتھ ڈالا اور چاہا کہ اس کے منہ پہ تھپڑ دے مارے مگر دل مُراد نے اسے کمر سے پکڑا، اوپر اٹھایا اور زمین پر پٹخ دیا۔ اسی وقت حاجی خان اور ملا عبدل بھی پہنچے۔ اور دل مُراد اور محمد خان کے سروں پہ لاٹھیاں برسنے لگیں۔

حاجی خان نے کہا:

''دل مُراد کے ہاتھ پشت پر باندھ دو اور اُس طرف والے شہتوت کے درخت سے باندھو اور محمد خان کو اِس توت کے ساتھ۔''

شاہ پری جو بچپن ہی سے بھوک، تنگ دستی، مصیبت، دکھوں، بدبختی اور مایوسیوں کی

عادی بن گئی تھی۔خوں خوار جونک اورلٹیرے حاجی خان اور بزدل ملاعبدل کی ناروائی ،ظلم اور جبر کو مزید برداشت نہ کرسکی ،اس نے وہ خنجر جو دل مُراد نے بہت پہلے اُسے دیا تھا ،اپنی جیب سے نکالا ، اسے کھولا اور دستے تک اپنے دل میں پیوست کر دیا۔

شاہ پری اپنے خون میں لت پت ہوگئی اور اس کے بھائی درختوں سے بندھے اپنے ننگے کندھوں پر چابک کھا رہے تھے۔جب تک کہ ان کے جسم سے خون کے چھینٹے اڑنے لگے۔وہ بے ہوش و بے سدھ ہوگئے تھے۔

رات کا ایک پہر گزر گیا تو حاجی خان نے کہا:

''اب انہیں کھول دو کہ انہیں بھیڑیے اور گیدڑ نہ کھائیں ۔ یہاں کوئی نہ رہے سب چلے جاؤ''۔

سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے ۔ بہت انتظار سے درخاتون کی آنکھیں خشک ہوگئیں ۔اس نے اپنے آپ سے پوچھا کہ اب تک بچے کیوں نہیں لوٹے ؟۔اس نے اپنے چھوٹے بیٹے کو آواز دی:

''مرید! مرید!''

جی، ماسی جان کیا ہے؟''

''میرے بیٹے ،رات بہت دیر ہوگئی مگر تمہارے بھائی ابھی تک نہیں آئے ،میرا دل بری گواہی دیتا ہے،تم جلدی جلدی جاؤ گل خان سے پوچھو کہ وہ کہاں گئے ۔اور میں کیسی مٹی اپنے سر پر ڈالوں؟''

مرید گھر سے نکلا اور آگے جانا چاہتا تھا کہ گل خان سے آمنا سامنا ہوا۔اس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا:

''مرید جان! دل مُراد اور محمد خان شاہ پری کو لانے گئے تھے مگر بزدلوں نے ان کا راستہ روکا ،اور دل مُراد اور محمد خان کو درختوں سے باندھ لیا اور اتنا مارا کہ ان کے جسم نیلے پڑ گئے اور وہ بے ہوش ہو گئے ۔شاہ پری نے یہ حالت دیکھی تو اُسے اور کوئی صورت نظر نہ آئی ،اس نے خنجر نکالا اور

اپنے دل میں پیوست کر دیا۔''

''ہاں' شاہ پری اپنے راستے پر گئی اور اپنی سیاہ روز ماں کو تنہا چھوڑ گئی۔اس نے خود کو بے غم کر دیا مگر درخاتون کے لیے غم کا خرمن چھوڑ دیا۔''

گل خان کا گلہ رندھ گیا،اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے ۔مرید نے پوچھا:

''ناکو (چچا) گل خان! اب وہ کہاں ہیں؟''

مرید چیختا روتا ماں کے پاس گیا اور اُسے خبر کر دی۔

دُرخاتون اپنے سر کے بال نوچنے لگی اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ پیٹنے لگی ، پاگل ہوگئی، واویلا نے کرنے لگی ۔وہ ننگے سر، ننگے پیر اپنے بچوں کی طرف بھاگی ۔جب پہنچی تو خود کو اپنی تیرہ سالہ بیٹی کی لاش پر گرا دیا۔اور بے ہوش ہوگئی۔

گل خان اور کیچی اور بعد میں دوسرے بزگر (کسان) آئے اور مرید کے ساتھ دل مُراد اور محمد خان کو ہوش میں لائے۔پھر یہ بھائی ماں کو ہوش میں لائے اور اُسے دلاسہ دینے لگے۔

اُس رات سارے بزگر (کسان) سوگ میں بیٹھے۔کسی نے کھانا نہیں کھایا۔دوسرے روز جب دن نکلا، اللہ داد باہر نکلا، وہاں چلا گیا جہاں بزگروں کو کام پر آنا چاہیے تھا۔اس نے بہت انتظار کیا مگر اسے بزگر نظر نہ آئے ۔اس لیے کہ بزگروں (کسانوں) نے فیصلہ کیا کہ وہ کام پر نہیں جائیں گے اور مرحومہ نوجوان بچی کو دفنانے کی رسومات میں حصہ لیں گے ۔کچھ بزگروں نے اپنے اوزار لے لیے اور گورستان کی طرف چلے گئے اور قبر تیار کرنے لگے ۔دوسرے بزرگوں نے شاہ پری کی میت اٹھالی ۔وہ جب قبرستان پہنچ گئے تو قبر تیار ہو چکی تھی ۔انہوں نے شاہ پری کو دفنا دیا۔پھر تینوں بھائی اپنی بہن کی قبر کی پائنتی پر کھڑے ہوگئے اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگے:

''بہنا! آرام سے سو جاؤ۔تمہارا بہایا ہوا خون ہماری نیک بختی کا سبب بنے گا۔تمہارے پاک لہو کی قسم ہم تمہارا انتقام لیں گے یا پھر تمہاری طرح اپنی جان جواں مردی سے دیں گے ۔آج کے بعد کسی کو اجازت نہ دیں گے کہ وہ معصوم لڑکیوں کی زندگیوں سے کھیلے اور انہیں اپنے ناپاک مقاصد کے لیے استعمال کرے۔''

''تم آرام سے سو جاؤ۔ آج کے بعد تمہاری جنس کے انسان ملا عبدل کے لیے بھیڑیں نہ بنیں گی۔ اُن کی جوانی کے پھول مسلے نہ جا سکیں گے بہنا.....شاہ پری، تم نے جو دکھ تکالیف سہے ہیں ان کی قسم کہ ہم اپنا اور دیگر محنت کشوں کا حق ان بزدل بدذاتوں، ان لاش خور کرگسوں، ان مکار لومڑیوں اور ان دو غلے گیدڑوں سے بزور لیں گے''۔

دل مراد اپنے ہم سنگر بھائیوں سے مخاطب ہوا:

''یہ خوں خوار بھیڑیا، اب مزاحمت کے بغیر نہیں رہے گا''۔

اللہ داد نے جب دیکھا کہ بزگروں میں سے ایک بھی نہیں آیا اور سب میت کے ساتھ قبرستان گئے تو وہ واپس ہوا اور اپنے باپ کو خبر کر دی۔ حاجی خان نے ملا عبدل کو بلایا اور کہا:

''جلدی شہپری کے قتل کی ایک رپورٹ لکھوا کر یم بخش کو دو تا کہ لے جا کر حاکم کو دے''۔

ملا عبدل نے قلم اٹھایا، جیب سے کاغذ نکالا اور جیسے کہ 'کوا' کوے کی زبان جانتا ہے' لکھا:

''ع' چ' ش حاکم صاحب!

''کل رات مغرب کے وقت میرے بزگروں دل مُراد اور محمد خان نے میرے چرواہے کی بیوی کو جو، ان کی بہن تھی قتل کر دیا۔ اس کے علاوہ دوسرے بزگروں کو بھی کام پر آنے نہ دیا۔ آپ کو اطلاع دے رہا ہوں تا کہ قاتلوں کو قانون کے مطابق سزا دیں اور بزگروں کے ہاتھوں مجھے جو نقصان پہنچا مجھے اس کا تاوان دلائیں۔

آپ کا حاجی خان۔''

اس نے رپورٹ لپیٹ لی اور کریم بخش کے ہاتھ میں دے کر کہا:

''جلدی یہ رپورٹ لے جاؤ اور یہ پانچ ہزار کے نوٹ حاکم کو مہمانی کے بطور دے دو''۔

جب کریم بخش دفتر پہنچا اور جب سیکرٹری کی نظر اس پر پڑی تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا' آگے آیا، ہاتھ ملایا اور اُسے حاکم تک لے گیا۔ اس نے پیسے اور کاغذ حاکم کو دیے۔ حاکم نے پڑھنے کے بعد کمانڈر اور کچھ سپاہی ساتھ لیے اور کریم بخش کے ساتھ ان کے گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ گاؤں کے قریب پہنچے تو حاجی خان، اللہ داد اور عبدال نے ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور اکٹھے

مسجد کے سامنے کھڑے ہوئے۔

حاکم نے کہا: ''سارے بزگروں کو اکٹھا کرو اور قاتلوں کی نشان دہی کرو''۔

بزگروں کو لایا گیا اور حاجی خان نے شہپری کے قاتلوں (!) کی نشان دہی کی اور کہا کہ یہ ساری گڑبڑ کے سربراہ بھی ہیں۔ اُس نے اور بھی بہت سچ جھوٹ کہا اور انہیں برا بھلا کہا اور ملا عبدل نے بھی بہت بددعائیں اور پھٹکار ان پر ڈالی اور کہا کہ خان سچ کہتا ہے۔

دونوں بھائیوں کے ہاتھ مضبوطی سے باندھ دیے گئے اور انہیں سپاہیوں کے حوالے کیا گیا۔ حاکم اور کمانڈر پہلے گئے تا کہ اُن کے پہنچنے سے پہلے بغیر پوچھ گچھ کے دونوں کو مجرم بنایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ دونوں مجرم بن گئے اور ہر ایک کو دس دس برس سزا ہوئی اور انہیں جیل میں دھکیل دیا گیا۔

******

جس وقت دل مُراد اور محمد خان جیل میں گئے۔ سارے قیدی نئے آنے والوں سے خیر خبر کرنے لگے۔ صرف ایک نوجوان کونے میں بیٹھا سماجی فارمیشنوں کی کتاب پڑھ رہا تھا۔

دل مراد آہستہ اس کے سامنے گیا اور اس کے پہلو میں بیٹھا۔ نوجوان نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے پاس بیٹھ گیا تو اس نے کتاب پر سے نظریں اٹھائے بغیر کہا:

''سلام!''

دل مُراد نے وعلیکم کہا۔

نوجوان نے ناواقف آواز سنی، تو کتاب سے نظریں اٹھائیں، دیکھا کہ قیدیوں میں دو نئے لڑکے شامل ہو گئے ہیں۔ دل مُراد نے اپنا غم دور کرنے کے لیے نوجوان سے مطالبہ کیا کہ اپنی کتاب بلند آواز سے پڑھے مگر اس نوجوان نے اس کا مطالبہ پورا کرنے کی بجائے اس سے پوچھا:

''بھائی تمہیں قید ہو گئی؟''۔

جواب ملا ''ہاں''۔

''تم نے کیا گناہ کیا ہے؟'' نوجوان نے پوچھا۔

''بہن کے قتل کے الزام میں''۔

''تم شکل وصورت سے تو بہادر لگتے ہو، کیا واقعی تم نے اپنی بہن کو قتل کیا ہے؟''۔

دل مراد نے جواب دیا:

''اگر قتل نہیں بھی کیا تو اب اس تہمت کو مان لینا ہی بہتر ہے''۔

دل مُراد کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اس کا گلہ رندھ گیا۔ اس نے محمد خان کی طرف منہ کیا اور کہا کہ تم حقیقت کہو۔

جب جوان نے اُن کی کہانی سنی تو کہنے لگا:

''معاف کرنا میں نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔ میرا نام گمشاد ہے۔ دو سال سے جیل میں ہوں۔ یہاں مجھے مزید بارہ سال رہنے کا حکم ہے۔ میرا گناہ، مزدوروں کسانوں کے حقوق کی طرف داری کرنا ہے۔''

نئے قیدی نے اپنا تعارف کرایا:

''میرا نام دل مُراد ہے اور یہ میرا بھائی محمد خان ہے۔ ہم دونوں بزگر ہیں۔''

گمشاد نے پوچھا، ''تمہاری قید کتنے برس کی ہے؟''

دل مراد نے جواب دیا، ''اچھی طرح تو معلوم نہیں؟۔ اس لیے کہ ہم ابھی آئے ہیں مگر جیل کے حکام کہتے ہیں کہ دس سال ہے۔''

گمشاد نے دوبارہ سوال کیا، ''پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے عوام 98 فیصد اَن پڑھ ہیں۔ اور دیہاتوں میں خاص کر کاشت کار بھائی اس عظیم نعمت سے محروم ہیں۔ تم پڑھنا جانتے ہو؟''۔

دل مراد نے جواب دیا، ''نہیں ہم اندھے ہیں پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ جب سے ہوش سنبھالا دکھوں مسئلوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ اتنی فرصت ہی نہ تھی کہ کسی ملا کے پاس جاتے اور تمیں پارے پڑھ لیتے''۔

گمشاد نے کہا، ''اگر تم علم کا مالک بننا چاہتے ہو تو میں حاضر ہوں، تم سب ساتھیوں کو پڑھاؤں گا۔ خواہ مخواہ اِدھر اُدھر وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ کچھ پڑھ لکھ جاؤ''۔

''بھائی! ہم محنت مزدوری میں الجھے ہوتے تھے مگر ظالموں نے وہ بھی ہم سے چھین لی۔ اور اب یہاں ہم بالکل فارغ ہیں۔ یہ تو بہت بڑی امداد ہے جو آپ ہماری کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم اس دنیا میں پیچھے رہ گئے ہیں تو کم از کم خدا کے گھر میں تو سرخرو ہوں۔ مگر آپ کو یہ بتا دیں کہ ہمارے پاس قلم کاغذ اور کتاب خریدنے کی سکت نہیں ہے۔''

گمشاد نے کہا: ''ہم انقلابی اور افغانستان کی ڈیموکریٹک پارٹی کے ممبر اپنا انسانی فریضہ سمجھتے ہیں کہ تم پہ محنت کریں، تمہاری مدد کریں۔ تمہارا ہاتھ تھامیں اور صحیح راستے پر لے جائیں۔ یہ سخت کام بھی نہیں ہے۔ تھوڑے سے وقت میں تم ہر چیز پڑھ سکو گے اور لکھ سکو گے۔ رہ گئی یہ بات کہ تم غریب ہو تو یہ بھی آسان ہوگا۔ کتاب کا بندوبست میں کرلوں گا۔ قلم کے بدلے لکڑی اور کاغذ کی جگہ پر زمین استعمال کریں گے۔ تم اپنا سبق زمین پر لکھو، یہ بہتر ہوگا''۔

جس وقت گمشاد باتیں کر رہا تھا، دل مُراد کا دل اور دھیان ننھے مرید اور ماں کی طرف تھے۔ اس نے سوچا کہ ان بے بسوں پر کیسی بلا گر پڑی ہے۔ اچانک اس نے محمد خان کو گمشاد سے یہ سوال کرتے ہوئے سنا:

''گمشاد، کیا حق کا ساتھ دینا گناہ ہے؟۔ ایک نوجوان محض اس لیے 14 سال جیل میں رہے کہ وہ محنت کشوں کے حقوق کی طرف داری کرتا ہے؟۔ تم نے کیوں بات نہیں کی؟۔ ہماری بات تو کوئی نہیں سنتا مگر تم تو زبان کے مالک ہو، تمہاری تو وہ سنتے؟''۔

گمشاد نے خندہ پیشانی سے اُسے جواب دیا: ''ہاں بھائی، جس ملک میں زور آور اور کم زور، ظالم و محنت کش، فیوڈل و رعیت، زمینوں کا مالک و بے زمین، سیٹھ و مزور ہوں وہاں نہ صرف محنت کشوں کے مطالبات کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ جو کوئی حق کی بات کرے گا، سزا پائے گا۔ میں نے کل سوچا تھا کہ زمین پر اُسی شخص کا حق ہے جو اس پر کام کرتا ہے۔ میں آج بھی اس بات پہ قائم ہوں اور اس بات پہ کھڑا ہوں کہ آنے والے کل بھی اس بات پر اپنا سر دوں گا۔ رہ گئی یہ بات کہ میں نے اپنا دفاع کیوں نہ کیا۔ تو میں آپ کو بتاؤں کہ کوئی وطن دوست اور بہادر شخص جیل کی چار دیواری کو پسند نہیں کرتا۔ ہم جو اپنی آنکھ کی نیند اپنے عوام کے لیے قربان کرتے ہیں تو خود کو کیسے ان

سے دور رکھ سکتے ہیں۔ ان ججوں کو دیکھو جو بے انصافی کی کرسی پر بیٹھے ہیں؟۔ یہ کانوں میں سیٹھ اور جاگیرداروں کی غلامی کی بالیاں پہنے ہوئے ہیں۔ زنجیر کی کڑیوں کو قانون کہتے ہیں اور عوام کے سچے بیٹوں کے ہاتھ میں ڈالتے ہیں، وہ ان ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کو انصاف سمجھتے ہیں۔ وہ ہم سے بندر کی طرح ڈرتے ہیں اسی لیے مجھے اور مجھ جیسوں کو لا کر جیل میں ڈالتے ہیں۔ وہ ماہی اور مچھیرے کا اطلاق ہم پر کرتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ جب مچھلی کو پانی سے نکال کر سرخ ریت میں ڈال دو تو وہ مر جائے گی۔ یہ بھی ہمیں محنت کشوں سے دور رکھتے ہیں۔

''یہ بات درست ہے کہ میں نے دفاع نہ کیا، اس لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ ان بدقماشوں کی رسوئی کو ننگا کر لیا جائے۔ میں نے یہ کام بھی کیا اور ان کا پول اس طرح کھول دیا کہ ان کی جان نکل گئی۔ میں طبقاتی سماج پر خوب بولا اور میں نے واضح کر دیا کہ سوشلزم کے بغیر کوئی نظام ایسا نہیں ہے جو ہمارے دردوں پر مرحم رکھے۔ لازم ہے کہ اس نظام کو مزدور اور ان کے ساتھی قائم کریں۔

''سارے محنت کش ایک ہو جائیں اور اپنی قیادت میں افغانستان کی ڈیموکریٹک پارٹی کی رہبری میں ظلم و لوٹ کے گلے سڑے محل کو الٹا دیں۔ یہ جدوجہد مرگ و زندگی کی جدوجہد ہے اور آخری فتح ہمارے عوام کی ہے۔

''سرکاری وکیل دکھ میں تڑپا کہ فیوڈل ازم کو برحق ثابت کرے اور بتا دے کہ خانوں کا اقتدار ابدی ہے۔ سارے لوگ جو وہاں موجود تھے حتمی طور پر سمجھ گئے کہ بوڑھی گھوڑی کے ساتھ نیا نعل لگا نہیں کھاتا۔ پرانے نظام مرتے ہیں اور نئے نظام ان کی جگہ لیتے ہیں۔ یہ فطری قانون ہے''۔

ایسی خاموشی تھی جیسے وہاں کوئی جان دار نہ ہو۔ قیدی گمشاد کے گرد جمع تھے اور سانس کو سینے میں روک کر اس کی باتیں سن رہے تھے۔ گمشاد اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا:

''بھائیو! بے زمین کسان اور فیوڈل آپس میں قسم کھائے ہوئے دشمن ہیں۔ اُن کی دولت اور امارت ہماری در بہ در زندگی سے ہے۔ اُن کے سیر سپاٹے اور ٹائم پاسی برابر ہے تم لوگوں کے پسینہ بہانے سے۔ تم خود کہو کہ تم زیادہ کام کرتے ہو یا خان؟''۔

دل مُراد نے جواب دیا: ''واللہ کیا کہیں، ہم صبح کاذب سے لے کر اندھیرے مغرب تک کام کرتے ہیں۔ کبھی کبھی تو آدھی رات تک بھی کام کرنا پڑتا ہے۔ باقیوں کی بات چھوڑو، میں اپنے حاجی خان کو پہچانتا ہوں۔ وہ بے کاری کو اس قدر پیار کرتا ہے کہ کیا بتاؤں۔ وہ تو یہ بھی چاہتا ہے کہ روٹی بھی چبا کر اس کے منہ میں دے دیں۔ اور وہ دن رات قالینوں اور گدوں کے اوپر لیٹا ہو۔''

''شاباش!'' گمشاد نے کہا، ''ایسے ہوتے ہیں فہمیدہ لوگ۔ تم اب یہ بتا دو کہ کس کے پاس دولت زیادہ ہے؟ دیکھو نا، ہماری دولت مندی تو ہمارے پیروں کی دراڑیں ہیں، پھٹے کپڑے، خالی پیٹ اور بیمار بدن ہیں۔ مگر ہمارے سردار لوگ! وہ ہر چیز کے مالک ہیں۔ غور سے سنو کہ میں کیا کہتا ہوں۔ مگر پہلے تم بولو۔''

دل مراد نے بولنا شروع کیا:

''میرا باپ دس برس قبل فوت ہو گیا۔ اس نے ترکے میں ایک تکیہ، ایک کمبل، ایک تیشہ چھوڑا۔ حاجی خان نے کہا کہ تمہارے باپ کے ذمے میرا دس من غلہ اور پانچ من جو قرض ہے، میں وہ مانگتا ہوں۔ ان دس برسوں میں میں نے اس کی بزگری کی۔ میرا بھائی محمد خان پہلے اس کی گائیں چراتا رہا اور اب دو سال سے وہ اس کا بزگر ہو گیا۔ اب ہمارا چھوٹا بھائی گائیں چراتا ہے۔ میری ماں اور شہید بہن حاجی خان کی روٹیاں پکاتی تھیں۔ یعنی ہم کل پانچ افراد اس کے لیے کام کرتے تھے۔ واللہ گمشاد خان! ان دس برسوں میں ہمارا کمبل پھٹ کر تار تار ہو گیا اور ہماری پیٹھ کب سے سردی کی جیل میں ہے۔

''حاجی خان کی گائے بیمار ہو گئی اور مر گئی۔ ان دونوں گائے کا گوشت سات غران فی سیر تھا۔ میں نے ہمت کر کے پانچ سیر گوشت خرید لیا جس کی کل قیمت 35 غران بنی۔ مگر جانتے ہو اس نے مجھ پر کتنے پیسے لکھے؟۔ 75 افغانی یعنی 150 غران!!۔ 35 دیکھو اور 150 دیکھو۔ ان دس برسوں میں ہمارے دسترخوان میں ایک بار بھی گندم کی روٹی نہ آئی۔ ہماری خوراک وہی تھی کہ جو کہ حاجی خان اپنے گدھوں کو دیتا یعنی جوار اور جو۔ اناج کی تقسیم کے وقت حاجی خان آ جاتا، آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتا اور اپنا بہی کھاتہ کھولتا اور بولتا جاتا: .....من غلہ.....، پھر.....من جو.....من غلہ .....افغانی نقد۔

''بھائیو! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ نو سال قبل جب محمد خان گائیں چراتا تھا، تو اس نے مجھ سے ربڑ والے جوتوں کی فرمائش کی تھی اور عید کے موقع پر میرے تین سالہ بھائی مرید نے نئے کپڑے مانگے تھے۔ اُس وقت سے لے کر آج تک نو برس بیت گئے مگر میں ان کا مطالبہ پورا کرنے کی سکت پیدا نہ کر سکا۔ محمد خان آپ لوگوں کے سامنے ہے، دیکھو اس کے پیر ابھی تک ننگے ہیں۔ ہمارے مرید کے جسم پہ دوسروں کے پرانے کپڑے ہیں۔ مگر حاجی خان دو سال کے اندر دو ٹریکٹروں کا مالک بن گیا۔ اس کا ریوڑ ایک تھا، اب تین ہو گئے۔ اس کے پاس دس گائیں تھی مگر اب اس کے پاس گائیوں کے دو گلے ہیں۔ اس نے بہت ساری زمین لے لی۔ پہلے اس کے پاس پچاس بزگر (کسان) تھے اب اٹھانوے ہیں.....''

اب گمشاد نے بات شروع کی اور کہا:

''دیکھا بھائیو، تمہارے ہاتھوں کے چھالے ان بزدل سود خوروں کے لیے زمین بن گئے۔''

''ننگے مرید سے گندم کی روٹی چھیننے والے.....مردہ باد۔''

''بھائیو! انہوں نے مجھے جیل میں کیوں بٹھا رکھا ہے؟۔ میری اچھی بھلی زندگی تھی، ضرورت کی ہر چیز تھی میرے پاس۔ مگر میں اپنا فریضہ نہیں بھول سکتا تھا۔ میں جب اس سرزمین پہ بسنے والوں کی زندگیوں میں فرق دیکھتا ہوں تو مجھے چین نہیں آتا۔ علم مجھے راستہ بتاتا ہے۔ مجھے تمہارے رہنماؤں اور استادوں نے جنہیں تم ابھی نہیں پہچانتے، صحیح راستہ دکھا دیا ہے اور میری آنکھیں کھول دیں کہ.....سرمایہ داروں کا مال و دولت تم لوگوں کی بھوک ننگ کا منافع ہے۔ سرمایہ داری نے مرنا ہے، ختم ہونا ہے۔ اس لیے کہ وہ نظام اب بوڑھا ہو چکا ہے اور زندگی کی توانائی نہیں رکھتا۔ اس نظام کی کمر اب ٹیڑھی ہو چکی ہے۔ اگر تم محنت کش دوسرے مزدوروں کے ساتھ اکٹھا ہو جاؤ اور اتحاد کر لو تو وہ چیز حاصل کر لو گے جو اب تک تمہارے پاس نہیں ہے۔ زمین تمہارا حق ہے، تم اپنا حق لے لو۔ ڈر اور خوف جھٹک دو اور اپنے دشمنوں سے آمنے سامنے والی جنگ لڑو۔ مگر یہ نہ بھولو کہ تمہاری یہ جدوجہد اچھے نتائج تب دے گی جب تم ایک سمجھ دار سیاسی پارٹی میں شامل ہو جاؤ جس کا رہنما مزدوروں کا طبقاتی نظریہ ہو۔ انقلابی روشن خیالوں کے ساتھ محنت کشوں کا سرخ پرچم

بلند کرو جو شاہ پری اور دیگر شہیدوں کے خون سے سرخ ہے۔ برابری، برادری، جمہوریت اور سماجی انصاف سرخ جھنڈے تلے ہے۔

میلت وطن دشمنان
در بیرنت زندہ جان
گیج اتش گُٹا تناب

زندہ بہ بیت انقلاب

''آج کے بعد کسی کو موقع نہ دو کہ محمد خان کے جوتے اور ننھے مرید کی گندم کی روٹی چھین لے۔ اپنی جگہ پر ڈٹ جاؤ۔ کب تک سوتے رہو گے، کب تک؟۔ انقلاب لاؤ، انقلاب۔ کہو:

در بہ کپیت آفتاب
گرم چوآسی زراب
سُہر چو سہریں گلاب

زندہ بہ بیت انقلاب

''ایسا سماج قائم کرو جہاں بھائی چارہ ہو، برابری، جمہوریت ہو اور سماجی انصاف ہو۔ ظالم گم ہو جائیں۔ تمہارے اس نظام میں جو شخص کام کرے گا کھائے گا اور بے کار بڑی توندوں والے جہنم میں جائیں گے۔''

دل مُراد اور محمد خان نے پہلا دن غم واندوہ میں گزارا۔ دن ڈھل گیا اور مغرب ہو گئی۔ انہیں پتہ نہ تھا کہ کس کے ساتھ جائیں۔ گمشاد نے انہیں بلا کر کہا:

''تم زبردست لوگ ہو۔ آؤ میرے ساتھ میرے بیرک میں رہیں۔''

اب گمشاد کے ساتھ بیرک میں دو اور آدمیوں کا اضافہ ہو گیا۔ وہ رات کو بھی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ دوسری صبح تک ان میں اچھی خاصی دوستی پیدا ہو گئی۔

گمشاد اپنے نئے ساتھیوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا جب ایک سپاہی نے آ کر کہا:

''تمہارا ملاقاتی آیا ہے''۔

گمشاد بڑے گیٹ تک گیا۔ وہاں لال بخش موجود تھا۔ وہ بڑی گرم جوشی سے ملے۔ لال بخش نے گمشاد کے کاموں کی رپوٹ طلب کی۔ اس نے اپنی رپورٹ دی اور لال بخش سے توقع رکھی کہ قیدیوں کے بیس افراد کے لکھنے پڑھنے کے لیے نصابی سامان لا دے۔

لال بخش نے جواب دیا:

''جو میرے بس میں ہوا، کروں گا''۔

لال بخش بازار چلا گیا اور گمشاد واپس اپنے بیرک لوٹ آیا۔

کچھ ہی دیر میں ایک سپاہی بغل میں کتابیں، کاپیاں اور پنسل لیے گمشاد کے پاس آیا۔

اس نے یہ چیزیں گمشاد کو دیتے ہوئے کہا:

''یہ تمہارے ساتھی نے بھیجی ہیں۔ بھلا سا نام بتایا تھا۔''

گمشاد نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''میں آپ کی امانت آپ تک پہنچا دوں۔ یہ چیزیں ساتھی لال بخش نے بھیجی ہیں۔''

گمشاد بیٹھا اور قیدیوں کے نصاب کے لیے پروگرام ترتیب دیا۔ اور انہیں سبق دینا شروع کر دیا۔

کل کا جیل خانہ، آج سکول بن گیا۔ قیدی بہت خوشی سے پڑھنے لگے۔ وہ اپنا سبق کبھی کاپی پہ لکھتے، کبھی زمین پر۔

******

تقریباً ایک سال بیت گیا۔ سارے طالب علم اب لکھ بھی سکتے تھے اور پڑھ بھی۔

گمشاد نے سب کو جمع کیا اور کہا:

''بھائیو! تم سب علم کے مالک ہو گئے۔ اور اب لکھ پڑھ سکتے ہو''۔ اس نے دل مُراد اور محمد خان کی طرف دیکھ کر کہا: ''آج کے بعد تم اس بات کے محتاج نہیں رہے کہ اپنا خط ملا عبدل کے پاس پڑھوانے لے جاؤ۔ میں بہت مطمئن ہوں کہ اپنا انقلابی فریضہ ادا کر چکا۔ میرے فریضے کا دوسرا حصہ تمہارے سیاسی شعور کو بلند کرنا ہے۔ اب تمہیں اس قابل ہونا چاہیے کہ اپنا دوست دشمن پہچان

لو۔ یہ پہچان لو کہ فیوڈل کون ہے، کمپراڈور کون ہے، بیوروکریٹ کون ہے۔ یہی لوگ تمہارے طبقاتی دشمن ہیں۔ تمہارا بین الاقوامی دشمن، سامراج ہے۔ جس نے ریاست کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے۔ رجعت پسند اس کے ساتھ ہیں۔ تم کسانوں کے دوست مزدور ہیں، محنت کش ہیں اور ترقی پسند روشن خیال لوگ ہیں۔ تمہارے بین الاقوامی دوست سوشلسٹ کیمپ، مزدوروں کا بین الاقوامی طبقہ ہے اور آزادی کی تحریکیں ہیں۔

''اگر تم لوگ خود کو دشمنوں کے شر سے بچانا چاہتے ہو تو ان کے ہاتھ سے سیاسی اقتدار چھین لو اور اپنا جمہوری ریپبلک قائم کرو۔ تم اُس وقت فتح پاؤ گے جب اپنے دوستوں سے اتحاد کر کے دشمنوں پہ یلغار کرو گے اور ظالموں کے اقتدار کو تباہ کر دو گے۔ ہمارا دشمن ایک ہی ہے۔ مزدور اور کسان باہم بھائی ہیں۔ سوشلسٹ کیمپ ہمارا مددگار ہے۔ بہادر انقلابی جو تمہاری نجات کے لیے زندگیاں وقف کر چکے ہیں، ہمارے تمہارے لیڈر ہیں''۔

محمد خان بولا:

''زندہ باد مزدورانِ جہاں''

''مردہ باد سامراجی نام ونشاں''

دل مُراد نے نعرہ لگایا:

''مردہ باد محمد خان کے جوتے چھیننے والے''

''مردہ باد محنت کشوں کے دشمن''

''زندہ باد سوشلزم''

''زندہ باد سوشلزم''

''زندہ باد عالمی محنت کش''

گمشاد نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

''میری اور میرے ساتھیوں کی تقدیر، تمہاری اور دیگر محنت کشوں کی تقدیر سے مضبوطی کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ ہم تمہاری زندگی کی بہتری کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اسی لیے تمہارے دشمن

ہمارے قسم کھائے ہوئے دشمن ہیں۔ میں نے قول کر رکھا ہے اور تمہارے سامنے دوبارہ قول کرتا ہوں کہ تمہارے دشمنوں کے سامنے سر نہیں جھکاؤں گا اور ان کے خلاف جدوجہد جاری رکھوں گا۔ یہ راستہ دکھ، درد اور مصیبتوں سے بھرا ہوا ہے۔ اگر اس تاریک راستے پر مزدوروں کے انقلابی نظریے کا چراغ تھامے بغیر چل پڑے تو سر چکرائے گا، بھوک پیاس سے مر جاؤ گے، اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔

''ہم تمہارے ساتھ کھڑے ہیں، ایک نئے افغانستان کی تعمیر کے لیے، جمہوری افغانستان کی تعمیر کے لیے، آگے بڑھنے والے افغانستان کی تعمیر کے لیے، جہاں بھائی چارہ ہوگا، برابری ہوگی اور سماجی انصاف ہوگا۔ ان تھک قدم اٹھاؤ۔ تم لوگ ان چیزوں کے مالک بن جاؤ گے جو اب تمہارے پاس نہیں ہیں۔ ہم اپنی آج کی محفل ان نعروں کے ساتھ ختم کرتے ہیں:

''اقتدار ملے مزدور کسان کو
مزدور کسان اتحاد زندہ باد
فتح مند ہو عالمی مزدور تحریک
جاگیرداری مردہ باد
سامراج مردہ باد.....''

انقلابی نعروں سے سارا جیل ہل کر رہ گیا تو گمشاد کو لگا جیسے زرنگاری پارک میں دوبارہ سرخ پھول کھل چکے ہوں۔

دل مُراد نے بھی بات کرنے کی اجازت چاہی۔ اس نے اپنی بات یوں شروع کی:

''بھائی! میں اپنے ساتھیوں کی طرف سے دل سے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جس طرح ماں اپنے ننھے بچے کی پرورش کرتی ہے اور راتوں اَدھ راتوں کو اٹھ کر دکھ اور تکالیف برداشت کرتی ہے۔ اسی طرح آپ نے بھی ہماری شعوری پرورش پہ بہت توجہ دی۔ جس دن ہم نے اپنے گمشاد سے جان پہچان کی اسی وقت سے ہم نے اس کی اچھی اچھی باتوں کو یاد رکھنا شروع کیا۔ وہ آج تک ہمارا دوست، بھائی، سنگت، اور مددگار بنا ہوا ہے۔ اس نے ایک سچے انقلابی کی طرح اپنا فریضہ نبھایا۔

''ساتھی! ہم قول دیتے ہیں کہ تمہاری باتوں کو عملی بنا دیں گے، اپنے دشمن سے صلح نہیں

کریں گے۔ ہم جدوجہد کریں گے اور کبھی بھی استحصال کرنے والوں کے سامنے نہیں جھکیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ پے در پے جدوجہد سے اپنے دشمنوں کی کمر توڑ دیں گے۔ دنیا میں ایسی کوئی قوت نہیں ہے جو عوامی جدوجہد کے سامنے ٹھہر سکے۔

''کچھ ملکوں میں سوشلزم کی فتح اور وہاں ترقی و دفاع کی تیز رفتاری نے بتلا دیا کہ عوام سوشلزم قائم کرتے ہیں اور ذرائع پیداوار کو سماجی بنانے، سماج کو جمہوری بنانے، اور زمین کی جمہوری اصلاح کرنے سے آگے کی منازل طے کرتے ہیں۔

''جس وقت ہمارے پڑوسی ملک سوویت یونین میں سوشلزم فتح مند ہوا تو ہمارے دشمنوں کی پروپیگنڈہ مشینری اس اقتصادی نظام کے خلاف جھوٹ بولنے میں لگ گئی۔ آپ نے اچھی طرح وضاحت کر دی کہ نیا انقلابی سماج بنانے کے لیے سماجی انقلاب کے علاوہ کوئی اور راہ نہیں ہے۔ آپ نے بالخصوص ہمارے طبقاتی دشمنوں کی واضح نشان دہی کر دی۔ تب ہم سمجھ گئے کہ وہ سوشلزم کے خلاف پروپیگنڈہ کیوں کرتے ہیں۔ انہوں نے سوشلزم کی مخالفت اس لیے کی کہ ان کے طبقاتی مفاد کو خطرہ تھا۔ اسی لیے سارے رجعت پسندوں نے کوشش کی کہ تاریخ کا پہیہ پیچھے گھمایا جائے۔

''آپ ہر نعمت کی موجوگی کے باوجود ہم محنت کشوں کے بہبود کی خاطر جیل میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی آپ کی پیروی کریں اور محنت کشوں کی فتح کی امید میں افغانستان خلق ڈیموکریٹک پارٹی کی راہنمائی میں جدوجہد کریں۔''

باب سوئم

آنکھیں کھلتی ہیں

جب گمشاد نے جیل میں اپنا انقلابی اور وطن دوست فریضہ مکمل کرلیا تو وہ بہت خوش ہوا۔ خصوصاً جب اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کسان جمہوری انقلاب کی فتح کے لیے اپنی جان بھی نثار کرنے کو تیار ہیں تو اس کی شادمانی بہت بڑھ گئی۔

گمشاد نے فیصلہ کیا کہ اس کے بعد وہ قیدیوں کو ترقی پسند ناولوں سے روشناس کرائے گا۔ اس نے انہیں ''پولات چوں سک بوت'' (How The Steel Was Tempered) کے بارے میں بتایا، اور انہیں اُس ماں کی بہادری کے بارے میں بتایا جس کا ذکر گورکی کے ناول میں آیا ہے۔ رحمٰن اور دوسرے بہادروں کی سوانح حیات اور ان کے فلسفہ حیات کے بارے میں انہیں بتایا۔

قیدی گمشاد سے بہت پیار کرتے تھے۔ ان کی دوستی اس خط سے اچھی طرح واضح ہوتی ہے، جو دل مُراد اور محمد خان نے اپنی ماں کو بھیجا۔ اس خط میں یوں لکھا تھا:

''اماں جان!

امید ہے کہ اپنے بیٹوں کے گرم جوش سلام قبول کریں گی اور ہمارے مرید کو سلام کہیں گی۔ اماں! کاش آپ یہاں آتیں اور گمشاد نامی ایک بہادر نوجوان کو دیکھتیں۔ چوں کہ آپ نے جیل میں ہمارے بھائیوں کو نہیں دیکھا تو حتماً آپ سوچیں گی کہ یہ گمشاد کون ہے اور میرے بیٹے کیوں اس کی تعریفیں کرتے ہیں؟۔

''ماں! گمشاد یتیموں کے آنسوؤں، ہمارے پیروں پہ پڑی دراڑوں اور مزدوروں کے

ہاتھوں کے چھالوں کا ابدی ساتھی ہے، جس نے ہماری شاہ پری کے خون کو رائیگاں نہ جانے کا یقین دلایا۔ یہ بہادر شخص ہماری جَو کی روکھی روٹی، تمہارے لباس کے پیوند، مرید کے ننگے بھوکے جسم، اور محنت کشوں کی پیشانی کی شکنیں یاد کرتا ہے۔ اس کی عقل مندی کی وجہ سے صرف ہم دو بھائی ہی نہیں بلکہ اٹھارہ دیگر محنت کش قیدی بھی نئے فکر و خیال کے مالک بن گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ زندگی کیسی ہے۔ اس نے ہمارے دشمنوں کی نشان دہی کی اور قول لیا کہ ہم اپنے ظالم آقاؤں کو گم کریں گے اور انہیں زیاں کر کے تاریخ کی خموشیوں کے حوالے کریں گے۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ جاگیردار اس لیے نیک بخت ہیں کہ ہم بد بخت ہیں۔ اگر ہم تھوڑے سے ان نیک بختوں کو ختم نہ کریں تو ہماری قومی اکثریت کی بدبختی، نیک بختی نہ دیکھ سکے گی۔ ہم نے یقین کرلیا کہ افغانستان خلق ڈیموکرٹیک پارٹی کی سربراہی میں ہمارے بے بس کھیت مزدوروں، چھوٹے مالک کسانوں، مزدوروں اور دوسرے محنت کشوں کی ایکتا اور اتحاد قومی ترقی کی ضمانت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ سوچیں کہ بڑی زمینوں کے مالکوں کے سامنے ہم تنہا ہیں۔ مگر نہیں، ایسا نہیں ہے۔ ہم بہت ہیں۔ اگر ان کے سروں کے سارے بال آپس میں بانٹ لیں تو ہم میں سے ہر ایک کو ایک بال بھی حصہ میں نہ ملے۔

''اماں جان!

''کیا آپ نے کبھی سوچا کہ زمین ہماری ہے؟۔ وہ دن آئے گا جب آپ دیکھیں گی کہ ہمارے پاس ہر چیز موجود ہوگی، اس لیے کہ ہم لوگ کام کرتے ہیں، محنت کرتے ہیں۔ جب ہم اپنا حق لے لیں گے تو ہمارا سات سالہ مرید ان لاش خوروں کی گائیں نہیں چرائے گا بلکہ سکول جائے گا، سبق پڑھے گا۔ ہمارا مرید گندم کی روٹی مانگنے کے لیے پندرہ سال تک انتظار نہیں کرے گا۔ آپ کا پیوند بھرا لباس تبدیل ہوگا، کم سن مرید کئی جوڑے کپڑوں کا مالک بنے گا، کسی اور کے اترن نہیں پہنے گا۔ تیرہ سالہ شاہ پری کو کچھ دنبوں کی خاطر ستر سالہ بڈھے سے اس کی مرضی خلاف اور اس کے عزیز و اقارب کی اجازت کے بغیر کوئی بیاہ نہیں دے سکے گا۔ اس کے بعد ہماری بن بیاہی بیٹیاں لب پہ فروخت نہیں ہوں گی، خودکشی نہیں کریں گی، بلکہ نئی شاعری، نیا ادب لائیں گی۔ یہ شعر وطن کے ہوں گے، محنت کشوں کے شعر، جو کہتے ہیں کہ آج کے بعد ہماری چھوٹی بہنوں کی مسکر

اہٹوں کو کوئی نہیں چھین سکے گا۔

''ماں! ہمارے گرم جوش سلام ہمارے بھائی، ہم سنگر ساتھی اور دوستوں کو پہنچاؤ۔ وہ دن دور نہیں جب ہم تمہیں خوش دیکھیں گے۔ ہم فتح مند ہوں گے۔

آپ کا

دل مُراد اور محمد خان''

انہوں نے یہ خط گل خان کے ہاتھ بھجوا دیا جوان کی ملاقات کے لیے آیا تھا۔ گل خان نے خط جیب میں رکھا۔ جب وہ گاؤں پہنچا تو سیدھا درخاتون کے گھر گیا اور خط دے کر کہا:

''یہ خط تمہارے بیٹوں نے بھیجا ہے''۔

دُرخاتون اس وقت تک سوچ رہی تھی کہ صرف خان اور حاکم طبقہ پڑھ لکھ سکتا ہے، اس لیے اس نے پوچھا،

''یہ خط کس نے لکھا؟''

''انہوں نے خود لکھا۔''

''وہاں ملا عبدل نہیں ہے جس نے پہلے تین پارے پڑھ رکھے ہیں، کس سے سیکھا انہوں نے؟''

''میں نے اپنی ان گناہ گار دونوں آنکھوں سے دیکھا کہ دل مُراد لکھ رہا تھا، ان کا ایک دوست ہے جس کا نام گمشاد ہے۔ گمشاد ہم آپ سب کا دوست ہے۔ اسی بہادر نوجوان نے جیل کو سکول بنا دیا ہے''۔

گل خان نے سرد آہ لی اور کہا:

''اگر سچ پوچھو بہن جانی، اگر میرے چھوٹے چھوٹے بچے نہ ہوتے تو میں حاجی خان کا قلعہ ضرور توڑ دیتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ مجھے جیل بھیجتے، وہاں اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرتا، دن رات اپنے گمشاد، اپنے دل مُراد اور محمد خان کے ساتھ بسر کرتا۔ عقل، شعور اور کمال کا مالک ہوتا۔''

دُرخاتون نے پوچھا:

''گمشاد کیسا شخص ہے؟ تم نے خود اُسے دیکھا؟''۔

''ہاں۔ نوخیز نوجوان ہے، بہت اچھی گفتگو کرتا ہے۔ میں ایک پورا گھنٹہ اس کے پاس رہا۔ مگر لگتا ہے جیسے ایک لمحہ ہی ہو۔ اچھی باتیں کرتا ہے۔ ایک گھنٹہ تک سوائے محنت مشقت اور ہمارے دفاع کی باتوں کے کچھ اور اُس کی زبان سے نہ نکلا۔ اس نے کہا مزدوروں، کسانوں اور دوسرے محنت کشوں کو چاہیے کہ اپنے حقوق لیٹروں اور استحصال کرنے والے فیوڈلوں سے لینے کے لیے اتحاد اور اتفاق کریں۔ مجھے وہ بہت اچھا لگا اور میں اس جوان سے بالکل بے زار نہ ہوا''۔

دُرخاتون نے جب یہ باتیں سنیں تو کہا:

''گل خان! وہ محنت کش کا بیٹا ہے۔ واقعی اس جہان میں بہادر لوگ موجود ہیں کہ ہمارے بیٹوں سے زیادہ ہماری خدمت کرتے ہیں۔ گمشاد بھی ان ہزاروں لوگوں میں سے ایک ہے جن کی ہم نے پرورش کی۔ ہم نے انہیں بے غیرتی کے پستان منہ میں نہیں دیے، ان کے اس فکر وخیال کے مالک ہمارے لباس ہیں، اگر ہم نہ ہوتے تو گمشاد نہ ہوتے، شاباش ہو ایسے بیٹے پہ جو جیل میں بھی ہماری روٹی، لباس، گھر اور دوادارو کی فکر کرتا ہے۔''

******

گمشاد ان بیس قیدیوں کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتا ہے اور بھائی اور ساتھی کے بطور ان کے ساتھ دن رات گزارتا ہے۔ جیلر بہت پشیمان ہے کہ اس نے گمشاد کو دوسرے قیدیوں کے ساتھ کیوں رکھا ہے۔ اس لیے وہ اپنے ایک سپاہی کو ہدایت کرتا ہے کہ گمشاد کی طرف جاؤ اور اسے تھپڑ مارو۔ اگر وہ تم پہ ہاتھ اٹھائے تو اپنی ناک پہ ایک مکا مارو تا کہ اس سے خون بہنے لگے، تب میرے پاس آجاؤ۔ اگر تم یہ کام کرلو گے تو میں تمہیں ایک ماہ کی چھٹی دوں گا۔

وہ سپاہی جیل کے اندر داخل ہوا اور گمشاد کی طرف چلا گیا۔ گمشاد کو کچھ خبر نہ تھی۔ اس لیے اس نے سپاہی کو سلام کہا اور حال احوال پوچھا۔ سپاہی نے گمشاد کو چانٹا مارنے کی بجائے مکا اپنی ناک پہ مارا اور وہاں سے خون بہنے لگا۔

اسی دوران کمانڈر جیل کے اندر داخل ہوا۔ جب خون دیکھا تو پانچ سپاہیوں کو حکم دیا:

''اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر تاریک کمرے میں بند کرو اور تالا لگا دو۔ آج اس نے میرے سپاہی کی ناک توڑ دی، کل کسی دوسرے کو زدوکوب کرے گا۔''

سپاہی آئے اور اپنے کمانڈر کے حکم کی تعمیل کی۔ گمشاد سمجھ گیا یہ سازش ہے، اس لیے کچھ نہ بولا۔ گمشاد خصوصی سیل میں پڑا رہا۔ دوسرے قیدیوں نے اس کے وہاں تنہائی میں پھینکنے کے کمانڈر کے حکم کو بہت برا بھلا کہا اور مطالبہ کیا کہ گمشاد کو اس کوٹھڑی سے باہر لایا جائے۔

مگر کمانڈر نہ مانا اور کہا:

''تم لوگ پاگل مت بنو، وہ سیاسی قیدی ہے۔ بعید نہیں کہ تم لوگوں کو گم راہ کرے۔''

دل مُراد نے کمانڈر کی ان فضول باتوں کو نہ مانا اور کہا:

''چھ سالوں سے ہم یہاں ہیں۔ آج تک یہ بات نہ ہوئی کہ کون سیاسی ہے، کون نہیں۔ پتہ نہیں آپ کے دماغ میں یہ بات آج کیسے آئی۔ وہ ہمارا ہے اور اسے ہمارے ساتھ رہنا چاہیے۔ مردوں والا قول ہے کہ اگر اُسے ہمارے پاس نہیں لاؤ گے تو ہم کچھ نہیں کھائیں گے اور مردانگی کے ساتھ مر جائیں گے۔ اگر ہم اپنے معلم کو نہ لائیں تو یہ بری زندگی ہوگی جس سے موت بہتر ہے۔ ویسے بھی سردار لوگ ہماری طرح کے سیکڑوں آدمیوں کو مار چکے ہیں مگر کسی نے اُن سے نہیں پوچھا اور نہ پوچھے گا۔''

قیدیوں کو دل مُراد کا یہ موقف پسند آیا اور بھوک ہڑتال جاری کر دی جو کہ کسانوں کی تحریک کی مضبوطی کی نشانی ہوتی ہے۔ چار ٹائم تک کسی نے کچھ نہ چکھا۔ کمانڈر نے دیکھا کہ قیدی اپنی بات پہ سختی سے قائم ہیں اور مرنے کو تو تیار ہیں مگر کھانے کو نہیں، تو وہ گمشاد کے پاس گیا اور کہا:

''گمشاد! اگر وعدہ کرو کہ قیدیوں کا سیاسی شعور بڑھاؤ گے نہیں تو میں تمہیں ابھی ابھی ان کے پاس لے جاؤں گا، میرا دل تمہاری جوانی پہ بہت دکھتا ہے۔''

گمشاد نے جواب دیا:

''جیلر صاحب، آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔ مگر یہ بات میں صاف بتا دوں کہ ہماری جدوجہد ہماری زندگی کا نصب العین ہے۔ ہم خود کو سختیوں اور دکھوں میں ڈال کر یہ جدوجہد کر رہے

ہیں۔ اگر کسی کا احساس مر جائے تو سمجھو وہ زندہ ہی نہیں۔ اگر زندگی کا مطلب چند بوری آٹا کھانے اور چند مشک پانی پینے کا ہو، تو یہ کام تو ہم کر چکے ہیں، اب اور زیادہ زندگی کی ضرورت نہیں۔ اس بات کا مطلب یہ نہیں کہ مجھے زندگی اچھی نہیں لگتی۔ بلکہ آپ سے زیادہ مجھے زندگی پیاری لگتی ہے۔ مگر کیسی زندگی؟۔ بہادروں والی زندگی، وہ زندگی جو دوسرے کے لیے ہو۔ دنیا میں ایسی کوئی طاقت نہیں جو مجھے اپنے انقلابی نظریات پھیلانے سے روک سکے، جب تک کہ وہ میری جان لے لیں۔ اقتدار میں بیٹھے رجعت پسندوں کے خلاف یہ جدوجہد اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک ہمارے مطالبات کے مطابق، سماجی انصاف اور روزگار کا انتظام نہ ہو جائے۔

''شاید آپ جناب نے مجھے ابھی تک پہچانا نہیں۔ آپ کے لیے مجھے اس کوٹھڑی سے نکالنا اور ساتھیوں تک پہنچانا بہت بڑا کام ہے۔ آپ کا یہ خیال ہوگا کہ میں ان کے لیے مر رہا ہوں اور ان تک پہنچنے کے لیے ہر قربانی دوں گا۔ ہرگز نہیں۔ سچ ہے کہ میں ان سے پیار کرتا ہوں۔ مگر کیوں؟۔ اس لیے کہ وہ رجعت پسندوں سے لڑ رہے ہیں۔ اس دوستی کے اخلاص کا تقاضا ہے کہ میں ان کے سامنے گنگ اور بہرہ نہ رہوں، بے احساس زندگی میں آپ کے لیے چھوڑتا ہوں، میں اس کا خواہش مند نہیں اور یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ اس راستے آپ سے تعلق پیدا کروں''۔

جیلر نے سر جھکا لیا اور کچھ سوچا اور جانا کہ اس نوجوان کو سختیوں سے کچھ نہ ہوگا۔ انہی باتوں پہ تو اسے چودہ سال قید ہوئی ہے، اب تک آٹھ سال گزار چکا ہے۔ اس نے منہ کھولا اور بڑبڑانے نے لگا:

''گمشاد جان! چوں کہ تم اچھے آدمی ہو، اس لیے اپنے ساتھیوں کے پاس جانے دے رہا ہوں۔ مگر دیکھ لو اپنے نظریات کے سکول کا منہ نہ کھولو وگرنہ پھانسی ہو جاؤ گے۔ اور ان بے چاروں کو بھی مرواؤ گے۔ چلو، باہر نکلو۔''

گمشاد نے کمانڈر کی شرائط کو نہیں مانا اور باہر نکلا اور اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ گرم جوشی سے بغل گیر ہوئے اور مصافحہ میں ایک دوسرے کے ہاتھ خوب زور سے دبائے۔

گمشاد اپنے ساتھیوں سے دوری کے ہاتھوں بہت اداس ہو گیا تھا، کہنے لگا:

''ساتھیو، یقین کرو کہ تمہاری دوری مجھ پہ بہت سخت گزری۔ انسان ایک سماجی مخلوق ہے اور تنہائی کی زندگی ہر کسی کے لیے سخت ہے، خواہ وہ جہاں کہیں ہو۔ اور خاص کر آپ جیسے لوگوں کے لیے جو اپنے طبقاتی دشمنوں کو ختم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہوں۔ ہم آپ اپنے دوستوں کی مدد سے اپنے دشمنوں کو ختم کرنے کا منصوبہ اپنے سماجی حالات کے مطابق تیار بھی کر سکتے ہیں اور عملی بھی بنا سکتے ہیں۔

''رجعت پسند حکمرانوں کا خیال ہے کہ انہوں نے ہم دوستوں کے درمیان دیواریں کھڑی کی ہیں۔ مگر وہ فراموش کر چکے ہیں کہ وہ جو بھی حربے استعمال کریں محنت کشوں کا ارادہ ناقابلِ شکست ہے۔

''ساتھیو! جیلر نے جب مجھ سے کہا کہ آپ لوگوں کی طرف آؤں اور باپ (!) کی طرح نصیحت کر کے کہا، 'گمشاد جان! اگر تم نے پھر اپنے سکول کا منہ کھولا، تو جان لو کہ یہ کالعدم سیاسی کام ہے اور اس کی سزا پھانسی ہے، سمجھ گئے پھانسی، اور صرف تم ہی مارے نہ جاؤ گے بلکہ ان ناسمجھوں کے ساتھ بھی ظلم کرو گے، جنہیں تم نے پٹی پڑھائی ہے۔ ان کے قتل کی کوشش نہ کرو۔' تو جانتے ہو جواب میں میں نے کیا کہا؟''

انہوں نے کہا: ''نہیں!''

میں نے کہا، ''بہتر ہو گا کہ آپ نصیحتوں کی بجائے ہمارے عزیز وطن میں سماجی تبدیلی کا سوچیں۔ انہیں استحصال کرنے والے طبقہ کے نمائندوں نے قید کر رکھا ہے نہ کہ میں نے۔ اگر یہ قتل ہو جائیں تب بھی ان کے خون سے رجعت پسندوں کے ہاتھ سرخ ہوں گے نہ کہ میرے۔ میں نے اس کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا کہ انہیں محنت کشوں کی نجات کا راستہ بتایا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ سچی بات جہاں ہو، کہوں اور اپنے اس فیصلہ سے دست بردار نہیں ہوں گا۔ وطن دوستی کا کام جہاں بھی ہو، کروں گا۔ خواہ کھیت پہ ہو، جیل میں ہو یا کارخانے میں۔ یہ کام میں کروں گا۔

''بھائیو! مجھے یقین ہے کہ یہاں ایک گمشاد نہیں، ان گنت گمشاد ہیں جو اگر ایک ساتھ سانس بھی لیں تو جیل جل جائے اور اگر سارے بہ یک وقت زمین پہ پیر ماریں تو زمین کے ہل

جانے سے رجعت پسندوں کے قلعے اوندھے ہو جائیں۔ اب اگر ایک گمشاد مرے تو دوسرا گمشاد آگ بن جائے گا اور رجعت پسندوں کی زندگیوں کے خرمن پہ گر کر انہیں بھسم کر دے گا۔ اور بھوک ننگ، افلاس و پیاس، بے انصافی پیدا کرنے والوں کو پھانسی چڑھا دے گا۔ ہم سب ایک مورچے میں اپنے دشمن اور خوں خوار جونکوں سے لڑ رہے ہیں۔ اس دشمن سوختہ لڑائی میں ایک بات پہ اچھی طرح یقین کر لیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اس جدوجہد میں مار دیے جائیں تو ہماری جو چیز اس دنیا میں رہ جائے گی وہ غلامی کی زنجیریں ہیں اور اگر زندہ رہ جائیں اور فتح مند ہو کر نکلیں تو اس چیز کے مالک بن جائیں گے جو کل انہوں نے ہم سے چھین لی تھی اور آخر میں ہم بھائی چارے والی برابری، ڈیمو کریسی اور سماجی انصاف کا پرچم، نئے ڈیموکریٹک افغانستان کا پرچم، کوہِ ہندوکش کی چوٹیوں پر لہرا دیں گے اور اس وقت نعرہ مار کر کہیں گے کہ:

''ہم آزاد ہیں، ہم آزاد ہیں۔ اے جہاں کے زحمت کشو، سنو ہماری آزادی کی صدا۔''

آنے والے وقتوں میں بھی اس نے دن رات ایک کیا اور ان تھک جدوجہد اور محنت سے ان کے سماجی شعور میں اضافہ کیا اور بہت کوشش کی کہ انہیں اپنی راہنما پارٹی کے انقلابی نظریے سے واقف کرائے۔ اس طرح مزید دو سال گزر گئے اور اس وقت تک گمشاد نے بہت ساری چیزیں ان پہ واضح کر دیں اور اس جیل کے قیدی اس قابل ہو گئے کہ مزدوروں کے ترقی پسند نظریے کو اپنے سماجی حالات کے مطابق ڈھالیں۔ ان دو سالوں میں اس نے تین کورس لیے۔ پہلے کورس میں انہوں نے فلسفہ پڑھا اور دیکھا کہ آئیڈیلزم اور مٹیریلزم کس کی خدمت کر رہے ہیں اور ان کے درمیان کیا کیا تضادات ہیں۔ دوسرے کورس میں انہوں نے مارکسزم، لینن ازم پڑھا۔ اور آخر میں پڑھا کہ سوشلزم کیا ہے اور قومیں کیسے بنتی ہیں، عوام کون ہیں اور دشمن سے کس طرح مقابلہ کرنا ہے۔

******

دس برس بیت گئے۔ آج دل مراد اور محمد خان کچھ دیگر قیدیوں کے ساتھ جیل سے رہا ہو گئے۔ گمشاد انہیں الوداع کہنے جیل کے دروازے تک آیا۔ جس وقت وہ رخصت ہو رہے تھے تو اس نے ان کے ہاتھ دبا کر کہا:

''ساتھیو! میں بہت خوش ہوں کہ آج کے بعد آپ لوگوں کو آزاد دیکھوں گا۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ سچی آزادی اُس وقت ہوگی جب یہاں ایک ایسی حکومت قائم ہوگی جہاں ایک کے ہاتھوں دوسرے کا استحصال نہ ہو۔ سب لوگ بھائی بھائی ہوں، برابر ہوں۔

''میں امید رکھتا ہوں کہ آپ اپنے اس مشکل فریضہ کو دوسرے محنت کشوں کے سامنے بہت شان کے ساتھ ادا کریں گے اور سارے محنت کشوں کی اصلی آزادی کے لیے دن رات جدوجہد کریں گے۔ بغیر کسی ڈر کے، بہادری کے ساتھ فتح کی طرف قدم بڑھائیں گے اور انسانیت کی راہ میں شہید ہونے والوں کی یاد عزیز رکھیں گے اور شاہ پری کا انتقام لینے کی جدوجہد کریں گے۔ کسی کو اجازت نہ دیں گے کہ ہمارے منہ سے روٹی کا نوالہ چھین لے۔ ہمت کرو اور خود کو قربان کردو۔ اور ایک، سب کی خاطر اور سب، ایک کی خاطر مرمٹو۔ اپنے دوستوں کو مت بھولو۔ افغانستان کی خلق جمہوری پارٹی کی راہنمائی لیتے رہو۔ میں تمہاری فتح کی تمنا کرتا ہوں''۔

دل مُراد نے گمشاد کا ہاتھ دبایا اور اپنے دوستوں کی جانب سے قول دے کر کہا:

''ہم عوام کے طبقاتی شعور کو بلند کرنے اور انہیں منظّم کرنے کے لیے ہر قسم کی جدوجہد کرتے رہیں گے اور استحصال کرنے والے طبقہ کے خلاف جدوجہد کریں گے۔ ہم یا تو اپنے طبقے کے حقوق دشمنوں سے بہ زورِ قوت لیں گے، یا پھر وقار کے ساتھ جان دے دیں گے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ عزت کے ساتھ زندگی گزار دیں گے اور غلامی کی زندگی نہیں چاہیں گے اور اس پہ موت کو ترجیح دیں گے۔

''پیارے گمشاد! آپ ہمارے ساتھ نہیں ہوں گے اور یہ کام ہمارے لیے بہت مشکل ہے مگر آپ کی خواہشات کو پورا کرنا اپنا فریضہ سمجھیں گے۔ یقین کریں کہ جو باتیں آپ سے سیکھی ہیں ان سے اپنے لیے تخت و تاج نہیں بنائیں گے کہ اس کے ٹھنڈے سائے میں ہمیں میٹھی نیند آجائے اور دشمن آجائے اور ہمارے تن سے ہمارا لباس نکال جائے۔ بلکہ انہیں عملی بنانے کے لیے جدوجہد کریں گے، اس لیے کہ حق ہمارا ہے اور ہم ایک پاک مقصد کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں، ہم حتماً فتح مند ہوں گے۔''

دل مُراد اور محمد خان نے اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ کسی اور دن ملنے کا وقت اور جگہ طے کرلیا اور ہر کوئی اپنے گھروں کی سمت چل رہا۔ دل مُراد اور اس کے ساتھی جس وقت اپنے گھر کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ان کی آمد پہ شور مچا کہ ''دل مُراد آ گیا، دل مُراد آ گیا'' اور سارے کسان، مرد و زن، بزرگ، کم سن سب اکٹھے ہوئے۔ درخاتون اور مرید استقبال کے لیے ان کے آگے آئے۔ وہ ہر ایک سے ملے۔ مرید نے اپنے بھائیوں سے کہا:

''بھائیو! دس برس ہو گئے ہیں، آپ دور چلے گئے اور اب وہاں سے ضرور اپنے بھائی کے لیے کوئی تحفہ لائے ہوں گے''۔

دل مُراد نے جواب دیا،

''ہم قیمتی تحفہ لائے ہیں۔ یہ تحفہ نہ صرف تمہیں ملے گا بلکہ سارے محنت کشوں کو ملے گا۔ مگر یاد رکھو، یہ تحفہ جدوجہد کے بغیر نہیں ملتا۔ یہ تحفہ ایک تیز دھار تلوار ہے جس سے خوں خوار جونک یعنی رجعت پسندوں کے سر کاٹے جاتے ہیں۔ یہ تلوار ہماری زندگی کی ضمانت کرے گی۔ اور یہ تحفہ محنت کش طبقے کا انقلابی نظریہ ہے، جس کے عملی ہونے سے ہم بدبختی، بھوک، ننگ، غربت اور بیماریوں سے نجات پائیں گے، یعنی کہ سوشلزم فتح مند ہوگا۔

''کیا یہ وہی سوشلزم ہے جس کو تم ایک زمانے میں برا بھلا کہتے تھے؟۔ یہ بات تو ابھی تک مجھے یاد ہے۔''

دل مراد کے ماتھے پہ شکنیں پیدا ہوئیں۔ اس نے جواب دیا:

''ہاں یہ وہی سوشلزم ہے۔ کل تک مجھے پتہ نہ تھا۔ میں اس لیے اسے برا کہتا تھا کہ حاجی خان اور ملا عبدل نے اس کے معنی بدل دیے تھے۔ اور میں بھی اندھا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ سوشلزم کیا ہوتا ہے۔ مگر اب مجھے پتہ ہے کہ سوشلزم ایک ایسا نظام ہے جہاں بھائی چارہ، برابری، جمہوریت اور سماجی انصاف ہوگا، وہاں جو کام کرے گا وہی کھائے گا۔ اسی لیے حاجی خان اپنا طبقاتی مفاد برقرار رکھنے کے لیے بہت بزدلی کے ساتھ سوشلزم کے معانی بدلتا تھا۔ یہ زمینیں دیکھتے ہو، ہماری تمہاری ہیں یہ۔ ہمیں چاہیے کہ اپنا حق اُن کے گلے سے نکالیں، ہمیں چاہیے کہ انہیں اپنے ہاتھوں کے چھالوں

اور پیشانی کا پسینہ نہ چھیننے دیں۔ جان لو کہ اگر ہم ایک دوسرے کے لیے دوستی اور بھائی بندی کے ہاتھ بڑھائیں اور ایک دوسرے کی خاطر جان دیں تو کوئی دوسرا حتیٰ کہ حاجی خان بھی ہمارے بچوں کے جوتے اور ہماری گندم کی روٹی اور ہمارا لباس نہیں چھین سکے گا۔ یقین رکھو کہ بڑے پیٹ والے سردار جو غبارے کی طرح پھولے ہوئے ہیں، ایک ہی جھٹکے سے پھٹ جائیں گے۔ جو شخص کام اور محنت کرنے کی قوت اور صحت رکھتے ہوئے بھی کام نہ کرے، وہ بھوکا رہے اور مر جائے۔''

دل مُراد نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی اور دیکھا کہ محنت کش کسانوں کی آنکھیں اُس پہ ٹکی ہوئی ہیں اور وہ ہمہ تن گوش اُس کی باتیں سن رہے ہیں تو اس نے اپنی بات جاری رکھی:

''ہمیں چاہیے کہ سرداروں کے قرضوں کے جھوٹے کاغذات کو جلا ڈالیں، ہمیں چاہیے کہ اپنی زمینیں فیوڈلوں سے چھین لیں۔ ضروری ہے کہ ہمارے محنت کش بھائی کارخانوں کے مالک بنیں۔

''بھائیو بہنو! باید ہے کہ جدوجہد کے فتح مند ہونے کے پہلے اقدام کے بطور ریاستی مشین کو توڑ دیں جو کہ رجعت پسند اور استحصال کرنے والے طبقوں کے طبقاتی اقتدار کو برقرار رکھتی ہے۔ یہ کام بہت مشکل ہے مگر ہمارا فولادی عزم مزدوروں، کسانوں اور دیگر محنت کشوں کے اتحاد واتفاق کی روشنی میں فتح مند ہوگا اور ظالموں کے اقتدار کا محل سرنگوں ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ ہماری سربراہی افغانستان کی پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کرے۔ ہم حتمی طور پر اپنے راستے کی رکاوٹوں اور کانٹوں کو دور کریں گے تاکہ وہ ہمارے آنے والی نسلوں کے پیروں میں نہ چبھیں۔

''بھائیو! اس پاک جدوجہد میں کسی چیز سے مت ڈرو اور آگے ہی قدم بڑھاؤ۔ ڈرکس چیز کا۔ غور سے سنو! اس گاؤں میں ہم آپ سو خاندان کام کرتے ہیں مگر منافع ایک سردار کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ ہم سب بدبخت ہیں مگر اکیلا وہ نیک بخت ہے۔ ہم آپ اس قدر تو طاقت ور ضرور ہیں کہ ایک خاندان کے ہاتھوں کو خود کو نچوڑنے سے دور رکھیں۔ ایک خاندان سو خاندانوں کے سر پر سوار اور فخر کرتا ہے، ہنستا ہے اور مذاق اڑاتا ہے کہ یہ ناسمجھ لوگ سواری کے لیے ہیں''۔

''ساتھیو!

''حق، فریاد اور ماتم سے نہیں لیے جاتے اور فیوڈلوں کے سامنے سر جھکانے کا کوئی

فائدہ نہیں۔ حق زور سے چھینا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے جونک کی طرح ہمارا خون چوسا ہے اور چوس رہے ہیں وہ از خود ہمارا خون چوسنا بند نہیں کریں گے۔ وہ سیر شکم ہوتے ہی نہیں۔ باید ہے کہ ان کے کان مڑوڑے جائیں، انہیں تنور میں ڈالا جائے تاکہ جل جائیں۔ یہ بات اہم ہے کہ اس وقت ہم آپ اپنا فریضہ جان لیں اور اقتدار حاصل کرنے کے لیے کسی قسم کی قربانی سے گریز نہ کریں''۔

یہ رواج ہے کہ فیوڈلوں کے کسان سورج نکلتے ہی اپنے کام پہ پہنچیں مگر آج بزگر اس وقت وہاں بیٹھے تھے اور سن رہے تھے۔ یہ دل مُراد کی تقریر کا پہلا اثر تھا۔ گل خان نے وہاں دل مُراد کے سامنے کہا تھا کہ آج کے بعد ہم جس وقت سورج اچھی طرح بلند ہو جائے گا تو کام پر جائیں گے۔ سارے بزگروں نے یہ بات مان لی تھی۔

اللہ داد ہمیشہ کی طرح صبحِ کاذب کو پہنچتا، سردی کھاتا اور جھاڑیاں جمع کر کے جلاتا اور بیٹھ جاتا۔ مگر آج اس نے جتنی بھی نظریں گھمائیں، کسان نہیں آئے۔ اور جب سورج اچھا خاصا نکل آیا تب دیکھا کہ آہستہ آہستہ مختلف سمتوں سے ایک ایک کر کے کسان آ رہے ہیں۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا۔

جس وقت سب آ چکے تو جوش اور غصے سے بولا:

''نواب صاحبو، اس قدر دیر سے آئے ہو؟ اگر اس کے بعد لیٹ آئے تو تمہیں کام پہ نہیں رکھوں گا اور تمہاری جگہ نئے بزگر رکھوں گا''۔

گل خان نے زور سے پیر زمین پر مارا اور اس کی بات کاٹ لی:

''اللہ داد، اپنے پاؤں اپنی زنجیر کے مطابق لمبا کرو۔ ہم زمین کی پیداوار میں حصہ دار ہیں۔ اس لیے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ہم سے پوچھے کہ کیوں دیر سے آئے ہو؟ کیوں کام نہیں کرتے ہو؟ ہم کسی کے غلام نہیں ہیں۔ تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ اتنے برسوں تک ہمارا خون چوستے رہے ہو، زمین ہماری اپنی ہے اور ہم اپنا حق لیں گے''۔

اللہ داد پاگل ہو گیا۔ نہیں جانتا تھا کہ کیا کہے:

''تم لوگ غلام ہو غلام۔ تم کیا کہہ رہے ہو، زمین تمہارے باپ کی ہے؟۔ یہ زمین

ہماری ہے۔ اسے کون ہم سے چھین سکتا ہے؟.....''

کچکول نامی ایک اور کسان اللہ داد کی بات کاٹتا ہے:

''اللہ داد! گل خان کی طرح میں بھی کہتا ہوں کہ ہم کسی کے غلام نہیں ہیں۔ تم کہتے ہو زمین تمہاری ہے۔ یہ بتاؤ کہاں سے لائے ہو یہ زمین؟''

''ہم نے خریدی ہے''۔

''پیسہ کہاں سے لائے؟''۔

''میرے باپ نے کمایا ہے''۔

''تمہارا باپ کہاں سے لایا ہے؟''۔

''انہیں میرے دادا سے ترکے میں ملا''۔

''بات یہ ہے کہ ہم سب سے زیادہ کام کرتے ہیں مگر اتنا نہیں کما پاتے کہ پیٹ بھر کر روٹی کھا سکیں۔ تمہاری دولت مندی کا تو پھر یہ مطلب نکلتا ہے کہ تم اور تمہارے باپ دادا لیٹرے رہے اور تم بھی لٹیرے ہو''۔

اللہ داد کا رنگ دھوئیں کی طرح سیاہ پڑ گیا۔

''بند کرو بکواس، بد بخت بھکاری۔ گم ہو جاؤ یہاں سے، مجھے تمہاری شکل سے نفرت ہے۔ میں تمہیں کام سے فارغ کرتا ہوں.....''

گل خان نے اُسے گفتگو جاری رکھنے نہ دی اور کہا:

''اللہ داد، آنکھیں دکھا کر ہمیں نگلنے کی کوشش نہ کر۔ ہمارا یہ بھکاری پن تمہاری وجہ سے ہے۔ میں اپنے اس بھائی سے بھی پہلے تمہارا کام چھوڑ جاؤں گا۔ یہ رہا تمہارا بیلچہ''۔

گل خان نے یہ کہہ کر بیلچہ اس کے سامنے پھینک دیا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اُسی وقت دوسرے کسانوں نے بھی اپنے اپنے بیلچے اللہ داد کے سامنے پھینک دیے۔ بیلچے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا کر ایسی موسیقیت پیدا کر رہے تھے جیسے کسانوں کی شادی ہو۔

سارے کسان اپنے گھروں کو لوٹ آئے اور دل مراد کی طرف چلے گئے جو کہ دیوار کے

ساتھ دھوپ پہ بیٹھا تھا۔ دل مُراد کسانوں کے اس اقدام سے بہت خوش ہوا۔ اس نے کچھ دیر تک کسانوں سے باتیں کی، ضروری ہدایات دیں اور جمہوری حکومت کے بارے میں جس کی بنیاد مزدور، کسان اور دیگر محنت کشوں کے اتحاد پر ہوتی ہے، یہ بتایا:

''جمہوری حکومت زمین کے بارے میں ایسی ریڈیکل اصلاحات کرے گی کہ ہم آپ خود اس میں حصہ دار ہوں گے۔ وہ حکومت ہمارے اقتصادی اختیارات بلند کرنے کے لیے کسانوں کی کوآپریٹو بنائے گی''۔

دل مُراد نے محنت کشوں کے اکٹھے ہونے اور منظم ہونے کے لیے ان کی تنظیم کاری کی بات کی اور کسانوں سے کہا کہ اپنی تنظیم کے انتخابات میں حصہ لیں اور کچھ چندہ اکٹھا کریں۔ سارے کسانوں نے اس کی یہ بات مان لی اور یوں گویا ہوئے:

''ہم ایک دو راتیں بھوکا سوئیں گے اور ہر ایک سے ایک ایک من جوٗ اکٹھا کر لیں گے۔ اختیار تمہارے ہاتھ میں ہے اور اگر کسی مددگار کی ضرورت ہو تو تم ابھی بتا دو۔ اس کا اختیار بھی ہم تمہیں دیتے ہیں۔''

اللہ داد کے ہونٹ خشک تھے اور وہ حاجی خان کے پاس چلا گیا۔ اُسے کسانوں کی بغاوت کا حال سنایا۔ حاجی خان نے فیصلہ کیا کہ خود کسانوں کے پاس نہیں جائے گا۔ کہیں بات مزید خراب نہ ہو جائے۔ اس لیے اس نے ملا عبدل کو بلایا اور اُسے مصالحت کرانے بھیجا تا کہ ان کی منت سماجت کر کے انہیں کام پہ بھیجے۔

ملا عبدل اٹھا، اپنی چادر جھٹک کر کندھے پر ڈالی اور کسانوں کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہ آرام سے بیٹھے ہیں۔ اس نے اِدھر اُدھر کی باتیں کیں، پھر بولا:

''الکا سب حبیب اللہ' یعنی محنت کش خدا کے دوست ہیں''۔

گل خان نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا:

''بند کرو اپنا منہ، کاسہ لیس! یہاں آتے ہو تو مزدوروں، محنت کشوں کی باتیں کرتے ہو۔ دوسری جگہ جاتے ہو تو اپنا ایمان، چرب نان کے ایک ٹکڑے پہ بیچ ڈالتے ہو۔ تم نے ایک بھیڑ کے

بچے کے لیے شریعت اور مذہبی قانون پامال کر دیے، چھوٹے بچوں کے خون سے کھیلتے ہو اور اب کن آنکھوں سے ان لوگوں کے سامنے کھڑے ہو، جن سے تم نے خیانت کی تھی۔''

دل مُراد نے گل خان سے کہا کہ وہ ملا عبدل کو اپنی بات کرنے دے۔

ملا عبدل نے کہا:

''مختصر یہ ہے کہ حاجی خان نے مجھے بھیجا ہے کہ تم لوگوں سے مذکرات کروں۔ اب تم لوگوں میں ایک آدمی بات کرے، کہ تمہارا مطالبہ کیا ہے؟''

''جو فیصلہ دل مُراد کرے گا، ہمارے سر آنکھوں پہ''۔

''یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟''

دل مُراد نے کہا:

''پہلے یہ بتاؤ حاجی خان نے تمہیں فیصلہ کا اختیار دیا ہے؟۔ یا تم ہمارے مطالبات اس تک پہنچا دو گے۔ اگر اس نے فیصلے کا اختیار تمہیں دیا ہے تو تم سے بات کریں گے وگرنہ جاؤ اپنی راہ لو، ہم تم سے کوئی بات نہیں کریں گے۔''

ملا عبدل نے جواب دیا:

''اُس نے مجھے اختیار دے دیا ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ تمہاری جائز باتیں مان لوں گا''۔

''پہلی بات یہ ہے کہ قسم تم لوگوں کے لیے پانی کی طرح ہے جسے تم ایک گھونٹ میں پیتے ہو۔

ہمارے مطالبات یہ ہیں:

۔۔۔کوئی بھی زبردستی ہم سے کام نہیں کروا سکے گا۔

۔۔۔کوئی بھی ہمیں اپنے گھر جلانے کے لیے کانٹے دار جھاڑیاں کاٹنے سے منع نہیں کرے گا۔

۔۔۔جب قرض لیا جائے تو اس پہ سود نہیں لکھا جائے گا۔

۔۔۔بیگار نہیں ہوگا۔

۔۔۔ہمارے ذاتی کاموں میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔

۔۔۔شاہ پری کا خون بہا ادا کیا جائے اور تم خود بھیڑ کا جو بچہ لے گئے تھے اس کا تاوان دو گے''۔

ملا عبدل نے کچھ لمحے سوچا اور مجبور ہوا کہ کسانوں کے مطالبات تسلیم کرے۔ شاہ پری کے خون بہا کا یہ فیصلہ ہوا کہ حاجی ایک ہزار افغانی نقد، بیس من گندم، دس من جو دیے گا اور اس بھیڑ کے بچے کی قیمت ادا کرے گا جو اسے شاہ پری کی شادی پہ دی گئی تھی۔

اس طرح کسانوں کی پہلی ہڑتال کامیاب ہوئی، دل مراد اور محمد خان نے متفقہ فیصلہ کر لیا کہ اپنی بہن کے خون بہا کی رقم فنڈ کے بطور دے دیں۔ انہوں نے بھیڑ کے بچے کے بدلے ملا عبدل سے موٹا دنبہ لیا، اسے ذبح کر لیا اور کسانوں میں تقسیم کر دیا۔ دل مُراد کے اس پہلے اقدام کا جس میں کہ اس نے اپنے ذاتی مفاد سے آنکھیں بند کر لیں، کسانوں پہ بہت اثر ہوا۔ اس کا نام اور یہ اقدام اس قدر مشہور ہوا کہ ہر جگہ محنت کش اپنے مسائل کے حل اور راہنمائی کے لیے دل مُراد کے پاس آنے لگے۔

سیاسی حالات تبدیل ہو گئے اور فیوڈلوں کی حکومت نے عوام سے کیے گئے وعدے پورے نہ کیے۔ ملک میں قحط تھا، محنت کش کے پاس روٹی، گھر اور لباس نہ تھا۔ بے روزگاری میں اضافہ ہوا، قیمتیں بڑھ گئیں، پارلیمنٹ کے ممبر اپنے مفاد کے لیے کام کر رہے تھے۔ اِس وزیر اور کبھی اُس وزیر کے دروازے پہ اپنے شخصی کاموں کے لیے کھڑے بھیک مانگ رہے تھے اور مہینے کے آخر میں اپنی تنخواہ وصول کرتے تھے۔

یہ حالات مزدوروں، کسانوں اور دیگر محنت کشوں کو سخت برے لگے۔ دل مُراد ہمیشہ اپنے گاؤں کے کسانوں کے ساتھ سیاسی موضوعات پر گفتگو کرتا۔ کسانوں نے اپنے پہلے کے زمانے کی یہ عادت ترک کر دی، جب وہ موسم سرما کی رات آگ کے قریب بیٹھ جاتے اور اپنے پیر پھیلا کر جنات اور پریوں، دیوؤں اور شہزادوں کے قصے سن کر رات گزارتے تھے۔ اب رات ہوتے ہی وہ دل مُراد کے پاس آ جاتے اور اس سے مفید باتیں سنتے۔

******

سال گزرتے گئے اور پھر انتخابات کا زمانہ قریب آیا۔ فیوڈلوں کے نمائندے امیدوار

بن گئے۔ کسانوں کی مددگار سیاسی پارٹی نے دل مُراد کو کہا کہ وہ الیکشن میں کھڑا ہو جائے اور دوسرے محنت کشوں کو ہم نوا بنانے کے لیے اپنے نمائندے دوسرے گاؤں اور دیہاتوں میں بھیج دے تاکہ انہیں الیکشن میں دل مُراد کے کھڑے ہو جانے کی خبر ہو۔

الیکشن شروع ہوا۔ فیوڈلوں نے دل مُراد کے الیکشن مہم میں رکاٹیں ڈالیں مگر دل مُراد نے ان کی ساری سازشوں کو ناکام بنا دیا۔ بعد میں جب سرداروں نے دیکھا کہ دل مُراد اُن سے جیت جائے گا تو انہوں نے اعلان کیا کہ جو شخص ہمارے امیدوار کو ووٹ دے گا اسے 500 افغانی نقد دیے جائیں گے۔ اسی طرح کے ایک احمق سردار نے کچکول کا ووٹ خریدنے کے لیے اس کے کان میں کہا:

''اگر تم اپنا ووٹ ہمارے امیدوار کی پیٹی میں ڈال دو تو تمہیں پانچ سو افغانی دوں گا''۔

کچکول نے سوچا کہ ایسا کیا جائے کہ پانچ سو روپے بھی ہاتھ سے نہ جائیں اور ووٹ بھی اپنے امیدوار کی پیٹی میں پڑ جائے۔ اسے دیکھو، کیا حیوان سردار ہے، مجھے آکر ورغلاتا ہے۔

سردار نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور پانچ سو افغانی کا نیا نوٹ اسے دکھاتے ہوئے کہا:

''زیادہ سوچو مت، یہ پانچ سو افغانی اٹھاؤ اور اپنا ووٹ ہماری پیٹی میں ڈال دو''

''ٹھیک ہے۔ آپ کی پیٹی کس رنگ کی ہے؟''

''کالے رنگ کی۔ مگر احتیاط سے۔ ایسا نہ ہو کہ سرخ رنگ والی پیٹی میں ووٹ ڈال دو۔ وہ پیٹی بے نام ونشان دل مُراد کی ہے''۔

''سردار صاحب، میں سمجھ دار آدمی ہوں۔ کیا یہ پانچ سو افغانی میرے بہت سے دردوں کی دوا نہ بنیں گے؟۔ آپ یہی ٹھہریں اور دیکھیں میں کیسے باہر باہر سے جا کر اپنا ووٹ آپ کی پیٹی میں ڈال دوں گا۔''

کچکول گیا اور اپنا ووٹ دل مُراد کی پیٹی میں ڈال آیا اور چھپ کر محمد خان کے پاس پہنچا اور اسے اپنی پوری کہانی سنائی اور پھر کہا:

''یہ لو، یہ نیا پنج صدی نوٹ''۔

محمد خان اس بات پہ قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ ابھی اُن کی گفتگو جاری تھی کہ ایک سردار قریب سے گزرا اور اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

''ارے او ایم این اے کے بھائی۔ تمہاری ناک بہہ رہی ہے، اپنی قمیص کے دامن سے اسے صاف کرو۔''

''ہئے سردار۔ تمہاری دو پہر اندھیر ہو رہی ہے۔ تمہیں کیا خبر!''۔ محمد خان نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

اُن کی گفتگو جاری تھی کہ لوگوں کی چہل پہل میں تیزی آ گئی اور ہر شخص پیٹیوں والے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ وہ بھی وہاں پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ ووٹوں کی گنتی ہو رہی ہے۔ فیوڈلوں کا خیال تھا کہ فتح انہی کی ہو گی اس لیے کہ ایک تو انہوں نے ووٹ خریدے بہت۔ پھر منصفوں نے بھی ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ مسرت سے اچھل رہے تھے اور دل مُراد کا مذاق اڑا رہے تھے:

''اُسے دیکھو درخت کے سائے سے آیا ہے اور اب پارلیمنٹ کا ممبر بننا چاہتا ہے''۔

ووٹوں کی گنتی ختم ہو گی اور اعلان ہوا کہ دل مُراد جیت گیا۔

دل مُراد نے اپنی ممبری کے چار سالہ دور میں لوگوں کی خوب خدمت کی، اس نے پارلیمنٹ میں محنت کشوں کے دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنا دیا اور محنت کشوں کی سیاست کو آگے لے جانے کی بہت جد و جہد کی۔ اس نے کئی بار زمینوں کی جمہوری اصلاحات کا مطالبہ کیا مگر چوں کہ اسمبلی میں فیوڈلوں کے نمائندے اکثریت میں تھے، اس لیے یہ جدوجہد اُس وقت کسی اچھے نتیجے پر نہ پہنچ سکی۔

باب چہارم

دل مُراد حق لیتا ھے !

سال و ماہ آتے اور گزرتے رہے۔ فیوڈلوں کا ظلم و جبر حد سے بڑھتا رہا۔ سارے لوگ تنگ آ گئے تھے۔ بے کاری بڑھ گئی۔ استحصال کرنے والوں اور کسانوں کے درمیان فرق بڑھتا جا رہا تھا۔ سرکار کی پارٹی روز بروز رسوا ہوتی جا رہی تھی اور ساتھ ساتھ افغانستان کی خلق ڈیموکریٹک پارٹی مضبوط ہوتی گئی۔ یہ پارٹی بہت کم وقت میں بڑے پیمانے پر عوامی اعتبار کی مالک بن گئی۔

حکومت اس پارٹی سے بہت خوف زدہ تھی۔ اس سے جان چھڑانے کی خاطر اس نے سازش تیار کی اور اس پارٹی کے ایک راہنما میر اکبر خیبر کو قتل کروا دیا۔ جس پر پارٹی سے وابستہ لوگ بڑی شان کے ساتھ اس کی میت کو قبرستان لے گئے۔ جہاں ایک بہت بڑا اجتماع ہوا اور بہت سے لوگوں نے اس میں حصہ لیا۔ وہاں افغانستان خلق ڈیموکریٹک پارٹی کے رہنماؤں نے تقریریں کیں اور رجعت پسندوں کی مذمت کی۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ خیبر کے قاتلوں کو تلاش کرے اور سخت سزا دے۔ مگر داؤد کی خوں خوار حکومت نے اس کے برخلاف، کچھ ہی روز بعد پارٹی کے رہنماؤں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔

پارٹی کے پہلے ہی سے کیے گئے فیصلے کے مطابق 27 اپریل 1978ء کو فوجی بغاوت ہو گئی اور تقریباً دس گھنٹے کے اندر اندر خوں خوار جونکوں کے ظلم و جبر کا قلعہ سرنگوں ہو گیا اور افغانستان خلق ڈیموکریٹک پارٹی نے اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ یوں سیاسی اقتدار فیوڈلوں سے چھین لیا گیا اور محنت کشوں کے نمائندوں کے حوالے ہوا۔

ڈیموکریٹک ری پبلک حکومت نے عوام کی بہبود کے لیے ترقیاتی کام شروع کیے۔ محنت

کشوں کو سود اور رہن کے بھاری بوجھ سے نجات دلایا اور بچیوں اور بچوں کے حقوق کی برابری کا فرمان جاری کر دیا، جس کے تحت لڑکیوں کی خرید و فروخت کو برا کام جانا گیا اور آئندہ شاہ پری کی جنس خود اپنے مستقبل کے فیصلے کی حق دار ٹھہری۔ ایک فرمان جاری ہوا جو زمینوں کی جمہوری تقسیم کے بارے میں تھا اور اس فرمان کے جاری ہونے کے ساتھ ہی فیوڈلزم کا قلعہ توڑ دیا گیا۔

دل مُراد نے افغانستان ڈیموکریٹک ریپبلک کی حکومت کی طرف سے یہ فریضہ سنبھالا کہ زرعی اصلاحات کی علاقائی کمیٹی کے سربراہ کے بطور پورے اختیارات کے ساتھ زرعی اصلاحات پہ عمل درآمد کو یقینی بنائے، رجعت پسندوں کی سازشوں کو ناکام بنا دے اور خود ہی زمین کی جمہوری اصلاحات کی علاقائی کمیٹی کے ممبران کا انتخاب کرے۔

دل مُراد مسرت کے ساتھ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا اور راستے میں زرعی اصلاحات کی علاقائی کمیٹی کے ممبر چننے اور زرعی اصلاحات پہ عمل درآمد کرنے کے طریقوں پہ غور کرتا رہا۔

جب دل مُراد اپنے گھر پہنچا تو دو دن تک اس نے کوئی کام نہ کیا۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ آرام سے بیٹھا رہا بلکہ وہ غور و فکر کرتا رہا۔ اپنی نوٹ بک میں لکھتا رہا۔ وہ اپنے منصوبے کو اچھی طرح عملی بنانا چاہتا تھا تاکہ کام اچھی طرح سے آگے بڑھے۔ اس نے زمین کی جمہوری اصلاحات کی علاقائی کمیٹی کے لیے پانچ رکنی کمیٹی اس طرح چنی:

1۔ دل مُراد.....زمین کی جمہوری اصلاح کمیٹی کا صدر

2۔ کچکول.....صدر کا اسسٹنٹ

3۔ محمد خان.....کمیٹی کا سیکرٹری

4۔ گل خان.....ممبر

5۔ کیچی خان.....ممبر

اس طرح زمین کی جمہوری اصلاحات کو عملی بنانے کے لیے تین دوسری کمیٹیاں بنائیں جو تین تین ارکان پر مشتمل تھیں۔ ان کے ممبر فہمیدہ، بہادر اور محنتی کسانوں سے لیے گئے تھے۔ ان کمیٹیوں نے جمہوری زرعی اصلاحات کی علاقائی کمیٹی کی رہنمائی میں کام کرنا تھا۔

زمین کی جمہوری اصلاح کی علاقائی کمیٹی نے دل مُراد کی صدارت میں میٹنگ کی اور اُن موضوعات پر بحث کی جو کمیٹی کے سیکرٹری نے کاموں کو بہتر بنانے کے لیے پیش کیے۔ تین گھنٹوں کے بحث مباحثہ کے بعد فیصلے ہوئے۔ دل مُراد نے اختتامی تقریر کی جس میں اس نے زمین کی اصلاحات کے بارے میں یوں کہا:

''ساتھیو!

''ہمارے وطن میں فیوڈل ازم اپنی قدیم شکل میں موجود ہے۔ فیوڈل نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور اس کے طرف داروں کو گم کرنے کا کام آسان نہیں ہے۔ یہ بہت مشکلات اور تکالیف اٹھانے اور دن رات کی بھاگ دوڑ سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ ہمارا انسانی اور قانونی فریضہ ہے کہ ہم کسانوں کے مفاد میں اور ان کی شرکت سے زرعی اصلاحات مکمل کر لیں۔ مزدوروں کسانوں اور دوسرے محنت کش طبقات کے دشمنوں کو ختم کرنے کے لیے لازم ہے کہ ہم بڑے منصوبے شروع کریں۔ ہمیں ایسی آواز بلند کرنی چاہیے جس پر کسان لبیک کہیں اور اس پر قائم رہیں۔

''ہمیں چاہیے کہ زمین کی جمہوری اصلاحات کے قانون کو جلد از جلد عملی کر لیں۔ اگر دیر ہو گئی تو ممکن ہے کہ دشمن ہماری راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرے۔ ہمارا طبقاتی دشمن ابھی تک بہت طاقت ور ہے۔ ہم نے ابھی تک اس سے صرف سیاسی اقتدار چھینا ہے مگر اس کا اقتصادی اقتدار ابھی برقرار ہے۔ دشمن کے سازشی منصوبوں کو ناکام بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان فیوڈلوں اور دشمنوں کے سربراہوں کا پتہ کریں اور ان کے بارے میں معلومات رکھیں اور ہر گاؤں کے کسانوں میں سے فہمیدہ لوگوں کو بلائیں۔ انہیں زمین کی جمہوری اصلاحات کے بارے میں تفصیلات دیں اور انہیں کہیں کہ وہ دیگر کسانوں کے ساتھ متحد ہو کر فیوڈلوں کی زمینوں کی ملکیت سنبھالیں اور سرداروں سے یہ زمین چھین لیں۔ خواہ کچھ بھی ہو ہم زرعی اصلاحات کے قانون کو عملی بنائیں گے۔ ضروری ہے کہ یہ قانون کم سے کم وقت میں عملی ہو جائے۔ جو کوئی اس قانون کے سامنے رکاوٹ ڈالے وہ ایک سال جیل جائے گا۔''

زراعت کی جمہوری اصلاحات کی علاقائی کمیٹی کے فرائض اور اختیارات کے بارے

میں ممبروں نے دل مُراد کی باتیں بہت غور سے سنیں اور ان پر عمل درآمد کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔
اگلی صبح ہر گاؤں سے ایک ایک کسان نمائندہ آیا۔ دل مُراد نے ان سے ملاقات کی اور کہا:

''ساتھیو! آپ نے یہاں آنے کی تکلیف کی' آپ کا بہت بہت شکریہ۔ میں بھی آپ بھائیوں کی طرح بڑی ذمہ داری رکھتا ہوں اور اس وقت آپ کی نمائندہ حکومت نے زمینوں کو تقسیم کرنے کے لیے مجھے بھیجا۔

''معزز بھائیو!

''رجعت پسند اور فیوڈل بہت پیچ وتاب کھا رہے ہیں۔ اور یہ آپ کی بے مثال جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ وہ اقتدار کی کرسی سے نیچے گر گئے ہیں۔ وہ قید میں ہیں۔ اور یہاں وہاں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور ہماری ڈیموکریٹک ری پبلک کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ وہ اپنے مفادات دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، جس کے لیے وہ کسی بھی انتہا تک جا سکتے ہیں۔ اس لیے میری باتیں غور سے سینے:

''طبقاتی معاشروں میں ہمیشہ کچھ بے کار جوخوردونوش کے بغیر دوسرا کوئی کام نہیں کرتے، محنت کشوں کی پیداوار پہ سوار رہتے ہیں اور ناز ونعم کے مالک ہوتے ہیں۔ جس وقت عوام ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جاتے ہیں تو وہ مینڈک کی طرح زیر آب ہو جاتے ہیں۔ رجعت پسندوں کا اقتدار کبھی بھی محنت کشوں کے سیلاب کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا اور اگر وہ اس کا راستہ روکنا چاہیں بھی تو پھر اپنا سر گنوا دینے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اس تاریخی موقع پر جب ہم چاہتے ہیں کہ جمہوری انقلابی حکومت سے وابستگی رکھیں اور اسے اس عبوری دور سے گزار کر سوشلسٹ معاشرہ قائم کریں۔ سیٹھ وجاگیردار، اور دیگر رجعت پسند حکمران مہیب بھیڑیوں کی طرح ہم پہ یلغار کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوہا دکھائیں حالانکہ وہ بوڑھے ہو چکے ہیں اور دانتوں سے عاری ہیں۔

''بھائیو!

''وہ اقتدار اور حاکمیت کھو چکے ہیں لیکن اگر اب بھی وہ یہ چاہیں کہ آپ کی ترقی کا راستہ روکیں اور مزید اپنا سر دیوار سے ٹکرائیں تو پھر آپ بغیر کسی ترس کے ان کے خلاف جدوجہد کریں اور

ان پہ ایسے ایسے وار کریں کہ ان کی گردن ٹوٹ جائے۔ ان بھیڑیوں کے نیش نکالے جا چکے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ آپ مزدور نظریہ کے مطابق اپنی زندگی کی بہبود میں مصروف ہیں اور جمہوری ری پبلک والی حکومت کا قیام اس بات کا گواہ ہے کہ اب آپ اپنا دوست دشمن پہچان سکتے ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ اپنے دوستوں کے ساتھ متحد ہو جائیں اور مشترکہ مورچے پہ ڈٹ جائیں اور اپنے دشمنوں کی سازشوں حملوں کو پسپا کریں۔

''بھائیو!

''دشمن پہلے ہی پاگل تھا، اب مزید پاگل ہو چکا ہے اور ہر جگہ منہ ڈالتا پھرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنا گرا ہوا تخت دوبارہ حاصل کرے اور اس طرح اپنا استحصال، ظلم، بے عدالتی، بیماری، بھوک، برہنگی، بے شعوری، نابرابری اور آمریت کا دور پھر بحال کرے۔ مگر وہ یہ بات بھول رہے ہیں کہ ہمارے محنت کش خاموش تماشائی نہیں بنیں گے۔ جب تک بس چلے وہ اپنے طبقاتی دشمن کے خلاف جدوجہد کریں گے اور کبھی نہ چاہیں گے کہ اپنا حق دوسروں کو دے دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ رجعت پسندوں نے اتحاد کر لیا ہے۔ اور وہ آپ کی انقلابی حکومت کے خلاف سازشیں تیار کر رہے ہیں۔ اس لیے میں آپ سے کھل کر بات کرنا چاہتا ہوں۔

''ممکن ہے آپ سوچ رہے ہوں کہ دل مُراد ہمیں کیا کہے گا؟۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں خود آپ کے پاس آتا۔ مگر پھر میں نے سوچا کہ پہلے اپنے بھائیوں کو یہاں منگوالوں۔ اب آپ کے سوال کے جواب میں کچھ کہوں گا مگر ایک شرط پر۔ اور وہ یہ کہ آپ قول دے دیں کہ اگر بات آپ کے مفاد کی ہو تو اس پر عمل کریں گے''۔

کسانوں نے قول دے دیا اور واضح کر دیا کہ اگر سر بھی قربان کرنا پڑے تو وہ گریز نہیں کریں گے۔

دل مُراد نے پوچھا:

''کیا آپ زمین کا مالک بننا چاہتے ہیں؟۔ اور چاہتے ہیں کہ آج کے بعد دوسروں کی غلامی میں مشقت نہ کریں؟۔ کیا اپنا حق لینے کو دل چاہتا ہے؟۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ بڑے

زمیندار آپ کے منہ کا نوالہ نہ چھین سکیں؟''

انہوں نے جواب دیا:

''کیسے نہیں چاہتے، یہی تو ہماری تمنا ہے''۔

''اچھا اگر یہی چاہتے ہو تو کل ہی یہ اقدام کرنا ہوگا۔ جس وقت واپس اپنے اپنے گاؤں پہنچو تو دوسرے محنت کشوں سے اس بارے میں گفتگو کرو اور اسی وقت ڈاکو سرداروں سے زمینوں کا قبضہ لے لو تاکہ ہم آئیں اور اسے تقسیم کریں۔ سمجھ گئے؟''

''اس سے بہتر بات اور کیا ہو سکتی ہے؟''

دل مُراد نے مزید کہا:

''ممکن ہے یہ کام سخت ہو مگر ہم آپ یقین رکھتے ہیں کہ حق باطل پر فتح مند ہوتا ہے اور نیا اقتدار پرانی حاکمیت کی جگہ لیتا ہے۔ آپ جب پہلا قدم اٹھا چکیں تو دوسرے اقدام کے لیے آپ کے ساتھی آپ کی رہنمائی کریں گے۔ آپ اپنے اپنے گاؤں کے نمائندے ہیں۔ جس وقت کوئی رجعت پسند آپ کی راہ میں رکاوٹ بنے تو مجھے اطلاع کریں۔ اور جو شخص مجھے بھیجوائیں، اس کے ہاتھ میں سرخ جھنڈا نشانی کے بطور دے دیں۔ اور یہ بات آپ کے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہو۔

''ساتھیو! فتح پانا بڑی بات ہے۔ مگر اُسے برقرار رکھنا اس سے بھی مشکل بات ہے۔ اب جائیے اور فوری طور پر اپنے ساتھیوں کو آگاہ کر دیجیے۔ میں آپ کی کامیابیوں کی تمنا کرتا ہوں''۔

کسان خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ ان کے چہرے دمکنے لگے اور پھول کی طرح کھل اٹھے۔ گل خان نے ان کی طرف سے کہا:

''ہماری تمناؤں کے درخت پہ پھل لگ گئے ہیں۔ ہم ایک ہمدرد باغبان کی طرح اس درخت کی خدمت کریں گے۔ اور اس کا میوہ اگر ہم نے نہ کھایا تو ہمارے بچے پوتے نواسے کھائیں گے۔ یقین کرو اگر کل سے حاجی خان کھیت پر آ جائے تو اس کا منہ توڑ دیں گے۔''

کسانوں نے دل مُراد کو خدا حافظ کہا اور اپنے اپنے گاؤں روانہ ہوئے۔ جب دوسرے کسانوں سے اُن کا آمنا سامنا ہوتا تو وہ انہیں زمین پہ قبضہ کرنے کی خبر دیتے۔ گل خان نے بھی

یہی کام کیا اور جس وقت کسانوں سے میٹنگ کی تو کہا:

''ساتھیو! خوشی مناؤ کہ تمہارا قدیم ارمان پورا ہو گیا ہے۔ کل سے تم اُس چیز کے مالک بن جاؤ گے جس کی سالہا سال سے تمہیں خواہش تھی۔ اس چیز کا مالک بنو گے جسے آج تک ہزاروں مکر و فریب کے ذریعے ہم سے دور رکھا گیا تھا۔ آج کے بعد بڑی توند والے سردار ہماری روٹی نہ چھین سکیں گے۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ ایک بڑے معاملے پر آپ سے بات کر رہا ہوں۔ کل سے جب ہم کام پر جائیں تو یقیناً اللہ داد بھی آئے گا اور کہے گا یہ کام کرو وہ کام نہ کرو۔ ہم اس سے بات نہ کریں گے۔ اور اگر اس نے چاہا کہ کچھ کہے تو اُسے وہیں بٹھا دیں گے۔ کل ہی زمین پہ قبضہ کریں گے جو کہ ہماری اپنی ہے۔ بہت ہو چکا۔ ہم برسہا برس تک غریبی میں رہے، تلخ و ترش سہتے رہے، حاجی خان کی زیادتیاں برداشت کرتے رہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اس بے انصافی کو ختم کر دیں۔ ہم فتح مند ہوں گے اور کالک ہمارے دشمنوں کے چہروں کے لیے رہے گی۔

''بھائیو! اس راہ میں ہم تنہا نہیں ہیں۔ ہم بہت سارے دوست اور ہم سفر رکھتے ہیں۔ وہ ہمارے طرف دار ہیں۔ انقلابی حکومت ہمارے مفادات کی محافظ ہے۔ یہ حکومت ہماری ہے اور ہمارے لیے ہے۔ وہ ہماری مدد کرے گی۔ اب یہ بتاؤ کہ کل حاجی خان سے زمین لینے کے لیے تیار ہو؟''

''ہاں۔ ہم بالکل تیار ہیں''۔

گل خان نے کہا:

''بس ٹھیک ہے، پھر ہم کل ہی یہ کام کریں گے۔ اب میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ آپ مہربانی کر کے میرے ساتھ یہ نعرے لگائیں گے:

''زندہ باد مزدور کسان اتحاد''

''زندہ باد ہماری انقلابی حکومت''

''فتح مند ہو عالمی مزدور!!''

رات کو کوئی نہ سویا۔ کسان اپنی انقلابی حکومت کے اقدامات پر باتیں کرتے رہے اور

ہمیشہ گمشاد، محمد خان، دل مُراد اور افغانستان خلق ڈیموکریٹک پارٹی کی باتیں اُن کی زبان پر ہوتی تھیں۔ایک نے کہا:

''دل مُراد ہمارا ساتھی ہے''۔

دوسرا بولا:''وہ حق لینے والا ہے''۔

تیسرے نے لقمہ دیا:''اس کی پارٹی ہماری پارٹی ہے۔گمشاد نے اُسے اور ہمیں صحیح راہ بتلادی''۔

سارے خاندان رات کو سونے کی بجائے خوشی سے مخمور، صبح تک یہی باتیں کرتے رہے۔

یہ رات وہ رات تھی جب حق باطل پہ، عدل ظلم پہ، جمہوریت آمریت پہ، اور برابری عدم مساوات پہ فتح مند ہوتی ہے۔جب سورج نکلا تو کسان ہر روز کی نسبت ایک گھنٹہ قبل اپنے زرعی آلات کندھوں پر اٹھائے کھیت پر گئے۔وہ آپس میں گفتگو کرتے ہوئے کھیتوں کو دیکھنے گئے:

''اس سال خیر سے فصل ہماری ہے اور بٹائی وغیرہ کے لیے نہ حاجی خان آئے گا نہ عبدل۔آج کے بعد صبحِ کاذب کو کام شروع کیا کریں گے اور رات گئے واپس آیا کریں گے۔''

جس وقت گل خان گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ کچکول حاجی خان کے گھر کی طرف جارہا ہے۔

اس نے اُسے آواز دی:

''جاؤ، اپنا بیلچہ لے کر آؤ، کام پہ چلتے ہیں۔آج کے بعد حاجی خان اپنے گھر کا کام خود کرے گا''۔

''ٹھیک ہے۔ابھی آیا''۔

وہ اپنے گھر گیا اور جلدی واپس آیا۔دونوں دوسرے کسانوں کے پیچھے روانہ ہو گئے۔

چوں کہ رات کو کچکول دیر تک حاجی خان کے مہمانوں کی خدمت کرتا رہا تھا اس لیے کسانوں کی میٹنگ میں حصہ نہ لے سکا تھا۔اور فیصلے سے باخبر نہ تھا۔گل خان نے اسے فیصلوں سے آگاہ کیا اور مزید کہا:

''ہم اپنی زمین کسی کو نہیں دیں گے''۔

وہ گئے اور کام شروع کر دیا۔ایک گھنٹہ بعد دیکھتے ہیں کہ اللہ داد خراماں خراماں تشریف لا رہا ہے۔جب وہ اُن کے قریب پہنچا تو جب دیکھا کہ کچکول بھی اُن کے ساتھ کام کر رہا ہے۔تو وہ سخت ناراض ہوا۔

''کچکول تم یہاں کیوں آ گئے ہو؟۔تم ہمارے گھر میں کام کرتے ہو۔جلدی گھر جاؤ، گھوڑوں کو بھوسہ اور جَو کھلاؤ''۔

کچکول نے جواب دیا:

''میں تمہارے گھر کے کام سے تھک چکا ہوں۔آج کے بعد نہیں جاؤں گا۔یہی جگہ میرے لیے ٹھیک ہے۔میں آج سے اپنا کام کروں گا۔''

اللہ داد نے اس کا گریبان پکڑ لیا اور گال پر دو تین تھپڑ رسید کیے۔کچکول پھر بھی کچھ نہ بولا اور دیکھتا رہا کہ کب کمانڈر گل خان حکم دے گا تا کہ اس کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دوں۔گل خان خود اللہ داد کے پاس پہنچا، اُسے کمر سے پکڑا اوپر اٹھایا اور دھڑام سے نیچے پھینک دیا۔اور خود اس کے اوپر چڑھ گیا۔سات بار اس نے اسے اوپر اٹھا کر نیچے پھینک دیا۔اور پھر گریبان پکڑ کر اسے اوپر اٹھایا اور کسانوں سے کہا کہ اسے لے جاؤ اور درخت سے باندھ دو۔اسی طرح جس طرح انھوں نے دل مراد کو باندھا تھا۔

وہ اللہ داد کو لے گئے اور مضبوطی سے باندھ دیا۔اسی وقت دل مراد پہنچ گیا۔

گل خان نے نعرہ لگایا:

''دل مُراد زندہ باد''

''زندہ باد''

گل خان نے کسانوں کی طرف دیکھا اور کہا:

''ہمارا انقلاب انصاف و عدل پہ مبنی انقلاب ہے۔اللہ داد کو انصاف کے حوالے کرنا ہوگا۔مگر یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ ہم ابھی سے اپنی زمین کے مالک ہیں اور اپنے خون کے آخری قطرے تک اپنے اس حق کی حفاظت کریں گے۔

''ساتھی دل مُراد!

''ہم اپنی سرگزشت کی کتاب خود اپنے ہی خون سے لکھیں گے اور آج کے بعد خوں خواروں کی نیازمندی نہیں کریں گے۔''

اللہ داد کو سزا سنائی گئی۔ حاجی خان کو پتہ چلا تو وہ آیا۔ مگر گل خان نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ حاجی خان پہنچا اور خنجر نکال کر گل خان کے گھونپنا چاہا مگر اسی وقت دل مُراد نے اسے کمر سے پکڑا اور دوسرے درخت سے باندھ دیا۔ اسی دوران ملا عبدل نمودار ہو گیا۔ بغیر بات چیت کے انھوں نے اُسے بھی درخت سے باندھ دیا۔

اور قاضی نے حکم سنایا:

''زمین اسی شخص کی ہے جو خود اُس پہ ہل چلاتا ہے۔ اب کوئی قوت ایسی نہیں جو دوبارہ تم سے زمین چھین لے۔ یہ تمہارا حق ہے اور اپنے حق کا دفاع کر لو۔ اب تم لوگ سارے کسان متحد ہو گئے اور گل خان کی سربراہی میں قائم کمیٹی کی رہنمائی میں اپنا کام جاری رکھو''۔

کچکول کو حکم ہوا کہ حاجی خان کے گھر چلا جائے اور قرض وسود کے رجسٹر لائے۔ جس وقت کچکول یہ رجسٹر لایا اور دل مُراد کے ہاتھ میں دے دیا تو ہر کسان کو پڑھ کر اس پہ لکھے ہوئے قرض اور سود کی تفصیل سنائی گئی۔

کسانوں نے کہا:

''ہمیں تو اس قرض کی خبر ہی نہیں۔ ہم نے کب لیا اتنا قرض؟''

حاجی خان بولا:

''اچھا تو میں جھوٹ بولتا ہوں، ہاں؟ میری تحریریں جھوٹی ہیں؟''

دل مُراد نے کہا:

''ہاں، سب جھوٹ ہے''۔

اس نے ماچس جلائی اور سارے رجسٹروں کو کسانوں کے سامنے جلا ڈالا۔ اور یوں فیصلہ جاری کر دیا:

''ساتھیو!

''ہماری اس عدالت اور پچھلی عدالتوں میں بہت فرق ہے۔ اس لیے کہ ماضی میں ان پر استحصال کرنے والوں کا قبضہ تھا اور ہر چیز انہی کے لیے تھی۔ مگر اب عوام اپنی سرنوشت خود لکھیں گے، اپنے فیصلے خود کریں گے۔ چنانچہ عدالت فیصلہ کرتی ہے کہ تم لوگ قرض وسود دینے سے آزاد ہو۔ پھندا لٹکایا جائے اور ان بھیڑیوں کو پھانسی کی سزا دی جائے''۔

پھندے لگا دے گئے اور تینوں اشخاص کو پھانسی دی گئی۔

اس نے مالیاتی امور کی کمیٹی کے سربراہ اور دوسرے کسانوں کو ساتھ لیا اور حاجی خان کے اناج کے ذخیروں کی طرف روانہ ہوا۔

اس کے ذخائر میں موجود اناج کی تفصیل یوں نکلی:

500	خروار	گندم
340	خروار	جو
50	خروار	جوار
30	خروار	ماش

دل مُراد نے اعلان کیا:

''ان چیزوں کا اختیار مالیاتی امور کی کمیٹی کے ہاتھ میں ہے۔ اس اناج کو کسانوں کی مشکلات دور کرنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ نیز حاجی خان کے ٹریکٹر، ٹیوب ویل اور لاریاں بھی تم لوگوں کے پاس رہیں گی، ان کی مالیت معلوم کرنے کی کمیٹی بنے گی جو کہ ان کی قیمت کا اعلان کرے گی۔ پھر مالیاتی امور کی کمیٹی ان کی قیمت سرکاری خزانے میں جمع کرے گی۔ یہ خزانہ بعد میں کوآپریٹو کے مرکز کے حوالے ہوگا۔''

دل مُراد جس وقت کاشت کاروں سے گفتگو کر رہا تھا تو اس دوران ہر طرف سے کسانوں کے نمائندے آتے رہے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں سرخ پرچم تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ مزار شریف کے گل لالہ کے دشت میں ہوں۔ سرخ پرچم مزدور کسان اور دیگر محنت کشوں کی آزادی کی علامت

ہے اور یہاں اس کے معنی یہ تھے کہ ان کے ہاں بھی انقلابی فیصلے پر اچھی طرح عمل مکمل ہو چکا اور فیوڈل گرفتار ہو گئے۔

دل مُراد نے کہا:

''ساتھیو!

''تمہارا یہ کام مجھے بہت اچھا لگا۔ اب واپس اپنے اپنے کاموں پر لوٹ جاؤ اور اپنے نمائندوں کو جن کے ساتھ میں نے کل ملاقات کی تھی، یہاں بھجوا دو اور انہیں کہہ دو کہ فیوڈلوں کے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑ کر انہیں یہاں لائیں''۔

کسان واپس چلے گئے اور دل مُراد کا پیغام اپنے نمائندوں کو پہنچا دیا۔ انہوں نے فیوڈلوں کے ہاتھ پیر باندھ دیے اور دل مراد تک لائے۔

اسی وقت دوسرے فیوڈلوں کی نظر حاجی خان، اللہ داد اور ملا عبدل کی لاشوں پر پڑی تو ان کے چہروں کی رنگت تبدیل ہو گئی۔ عدالت بیٹھی اور فیصلہ ہوا کہ ضدی دشمن قتل کیے جائیں۔ اور جو بقیہ فیوڈل انقلابی حکومت کی زرعی جمہوری اصلاحات کے خلاف ہیں، قید کیے جائیں۔ عدالت نے یہ فیصلہ بھی سنایا کہ ان قیدیوں سے ایک سال تک کوئی رعایت نہ کی جائے تاکہ ضروری منصوبوں پر عمل درآمد ہو۔

''ساتھیو! سب سے پہلے اب تک حاصل کی ہوئی آپ کی فتوحات پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ آپ نے اپنے اس جرأت مندانہ کام سے ثابت کر دیا ہے کہ اگر مزدور کسان اور دیگر محنت کش اٹھ کھڑے ہوں اور فتح کے اپنے پرچم بلند کریں اور اپنی رہنما پارٹی کی سرکردگی میں آگے بڑھیں تو وہ حتماً اپنے دشمنوں کو زیر کر لیتے ہیں اور اپنے وطن کی ترقی کی راہیں کھول دیتے ہیں۔ اور پرانے نظام کی خرابیوں پہ ترقی پسند سماج اور سوشلزم کی بنیاد رکھیں گے۔

''آپ اگر علمی سوشلزم کی روح اور اپنے سماجی حالات کے مطابق اقدام کریں تو اپنی تقدیر بدلنے میں کامیاب رہیں گے۔ سردار اور فیوڈل بہت ہاتھ پاؤں ماریں گے کہ آزادی مانگنے والی آواز کو تمہارے گلے کے اندر ہی دبا دیں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ آپ ہوش و فہم سے کام لیں گے

اور ان کی ساری سازشیں ناکام بنا دیں گے۔ اگر فیوڈل دوبارہ فتح مند ہو جائیں تو یقین رکھیے کہ یہ ظالم آپ لوگوں میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اس لیے ان خوں خوار بھیڑیوں سے کوئی ہمدردی نہ کریں۔ اپنے اپنے گاؤں واپس جائیں اور پہلے اقدام کے طور پر فیوڈلوں کے قرض و سود کے بہی کھاتے جلا ڈالیں اور اسی طرح زمین کی جمہوری اصلاحات کی علاقائی کمیٹی کے فیصلہ کو دیگر کسانوں کے کانوں میں ڈال دیں اور بتائیں کہ کسان قرض ادا کرنے سے آزاد ہیں۔ اناج فیوڈلوں کے گوداموں سے نکالیں اور خود اس کے مالک بن جائیں اور اُسے پانچ رکنی کمیٹی کے ذریعے جس کے سربراہ آپ ہیں، سنبھالیں۔ اور زمین کی جمہوری تقسیم کے بعد یہ حساب کتاب حکومت کو بھیج دیں اور اس طرح خان کے پاس موجود مشینری اور دیگر آلات قبضے میں لے لیں اور ان سے کام لیں اور اُن کی قیمت کوآپریٹو کو ادا کر دیں۔

''بھائیو!

''اپنے حقوق کا دفاع کرو۔ اور دوبارہ رجعت پسند دشمنوں کو اقتدار واپس آنے نہ دو۔ میں پھر دہراتا ہوں کہ زمین تمہاری ہے۔ انقلابی حکومت کے فرمان کے تحت زمین کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مفت کسانوں میں بانٹ دو اور بہتر ہوگا کہ کسان ایک کمیون کی طرح اپنی زمین پہ کام کریں اور کوآپریٹو بنائیں اور پیداوار آپس میں برابر برابر بانٹ لیں۔''

باب پنجم

کسان کمیٹی

زرعی جمہوری اصلاحات کے کمیشن نے کامیابی سے اپنا پلان مکمل کرلیا۔ اس پورے عرصے میں دل مُراد چین سے نہیں بیٹھا۔ وہ دن رات اس کام کی نگرانی کے لیے دورے کرتا اور اسی کے بارے میں سوچتا۔ وہ بہت کم سوتا۔ کام کی اس زیادتی نے اُسے بہت کمزور کردیا تھا۔

ایک دن وہ اپنے دفتر میں بیٹھا کوآپریٹو کے لائحہ عمل پہ کام کررہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دل مُراد نے کہا:

''بیا، بیا''

دروازہ کھلا اور کریم بخش نمودار ہوا۔ خوش آمدیدی جملوں کے بعد اس نے کہا:

''دل مُراد، زمین کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لیے زرعی جمہوری اصلاحات پر ہماری انقلابی حکومت کے انقلابی اقدامات کے بنیادی فلسفہ کے تحت عمل ہونا چاہیے۔''

دل مُراد نے پوچھا:

''میں سمجھا نہیں۔ ذرا تفصیل سے اپنی بات کہو''۔

کریم بخش نے کہا:

''ہم بیس کسانوں نے اپنی زمینیں آپس میں ملادیں اور ایک کوآپریٹو بنادیا ہے۔ ہم اس مشترکہ زمین پہ کاشت کرکے اپنی پیداوار آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔ دوسرے کسانوں نے مجھے اپنا بڑا کہو یا نمائندہ کہو، منتخب کیا۔ ہمیں کچھ مشکلات درپیش ہیں۔ اسی لیے آپ کے پاس آیا ہوں اور امید

رکھتا ہوں کہ آپ ہماری مدد کریں گے''۔

دل مُراد نے پوچھا:

''میرے بھائی، کیا مشکلات ہیں؟''

کریم بخش نے کہا:

''بھائی، ہمارے پاس بیج کی کمی نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہماری یہ مشکل حل کردی گئی ہے۔ اس سال تو ہم حکومت کو غلہ بیج بھی سکیں گے۔ ہمارا مسئلہ جو کہ سارے کسانوں کا مسئلہ ہے۔ وہ ہے: ٹریکٹر، ٹیوب ویل، کیمیائی ادویات اور کیڑے مار دوا۔ اب آپ ہماری یہ مدد کریں کہ ٹریکٹر دے دیں۔ اس لیے کہ ہم نے دوسو جریب زمینوں میں تخم ریزی کے لیے پانی دے کر تیار کیا ہے۔ اب اس پر ہل چلانے کا وقت آگیا ہے۔ مگر ہمارے پاس وسائل نہیں۔''

''آپ لوگوں نے اچھا کام کیا۔ آپ کے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے زمین تقسیم کرنے کے فرمان میں پہلے ہی انقلابی حکومت کی مدد کا وعدہ لکھا ہوا ہے۔ یقین رکھو کہ ہر طرح کی مدد آپ کو دی جائے گی۔ کچھ عرصے تک یہ مسائل رہیں گے اور ہم آپ نے فیصلہ کرلیا کہ ان مسائل کو حل کریں گے۔ فتح آپ لوگوں کی ہے۔ یہ مشکلات حل ہو جائیں گی۔ کوئی مشکل ایسی نہیں کہ آپ لوگوں کے مضبوط ارادوں کے سامنے ٹھہر سکے۔ اگر آپ کے پاس بیج بھی کم ہو تو لالا فقیر کے پاس جاؤ۔ میں نے اس سے پہلے بات کی ہے اور کہہ رکھا ہے کہ بیج، ٹریکٹر اور دوسری جو چیز بھی اس کے بس میں ہو، آپ کو دے دے۔ آپ یہ سرخ پرچم لے لیں، اس کے پاس جا کر لہرائیں اور پھر اپنی بات تفصیل سے اُسے بتادیں۔ مجھے پتہ نہیں ہے کہ آپ کی کمیٹی کے پاس ٹریکٹر ہے یا نہیں؟''

کریم بخش نے کہا: ''نہیں۔ ٹریکٹر ہمارے پاس نہیں ہے''۔

دل مُراد نے گل خان سے کہا: ''آپ اپنے ٹریکٹروں میں سے لالا فقیر کی زمین تقسیم کرنے والی کمیٹی کو ایک ٹریکٹر بھیج دیں''۔

گل خان نے لال بخش سے کہا:

''جا کر ایک ٹریکٹر نکال دو''۔

دل مُراد نے کریم بخش سے پوچھا: ''آپ کے علاقے میں ابھی تک ہل چلانے کا موسم شروع نہیں ہوا؟۔''

''نہیں، اب تک نہیں۔ کچھ دنوں بعد اصل موسم ہوگا۔ ہم نے کھیتوں کو پانی دے دیا ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ بلمند میں موسم باقی قریبی علاقوں کی نسبت ذرا دیر بعد شروع ہوتا ہے۔''

دل مُراد نے کہا: ''آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ گرمیوں میں تو پانی کم پڑتا ہے مگر میں نے زرعی اصلاحات کی وزارت سے بات کی ہے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ جو کچھ بھی ان کے بس میں ہوگا کرلیں گے۔''

اس دوران گل خان آیا اور کہا: ''ٹریکٹر میں نے نکال دیا ہے۔''

دل مُراد نے کہا: ''مستیان کو کہہ دو کہ کریم بخش کے ساتھ جائے اور ان کی کھیتوں میں ہل چلائے''۔

''ہاں، وہ ٹریکٹر ملنے کے انتظار میں ہے۔ کریم بخش بھائی! آپ لوگ اس کی رہنمائی کریں''۔

دل مُراد، گل خان اور کریم بخش کے ساتھ باہر نکلا اور ٹریکٹر کی طرف چلا گیا اور کریم بخش کا تعارف مستیان سے کرایا:

''بھائی مستیان، کریم بخش کے ساتھ جاؤ۔ ان کے کھیت میں ہل چلاؤ۔ اور جب ہل مکمل ہوجائے تو واپس چلے آؤ۔ کامیاب رہو۔''

اس نے گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبایا اور واپس دفتر آ گیا۔

مستیان نے کریم بخش کو اپنی دائیں طرف بٹھا لیا اور ان کی زمینوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ سرخ پرچم جو کہ مزدوروں کسانوں کی فتح کا نشان ہے، ہوا میں لہرا رہا تھا۔ وہ ابھی تک گاؤں نہیں پہنچے تھے کہ دوسرے کسان زمین تقسیم کرنے والی کمیٹی کے ارکان کے ساتھ ٹریکٹر کی آواز سن کر اُس کے استقبال کو نکل آئے۔ جب لالا فقیر کی نظر سرخ پرچم پر پڑی تو سمجھ گیا کہ یہ تحفہ دل مُراد نے بھیجا ہے۔ ٹریکٹر پہنچا تو مرد و زن، چھوٹے بڑے سب نے محنت کشوں کے سرخ پرچم کے سامنے

احترام کا اظہار کیا۔

پھر لالا فقیر نے کہا:

''ساتھیو!

''آپ اپنی انقلابی حکومت کی دن رات جد و جہد کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ذرا پہلے ہم لوگوں نے کریم بخش کو دل مُراد کے طرف بھیجا تھا کہ ہماری مدد کرے۔ یہ ہے کمک پہنچ گئی۔ ٹریکٹر کے بغیر 200 جریب پر ہم کس طرح ہل چلا سکتے ہیں۔ یقیناً زمین نے خشک ہو جانا تھا۔ پھر اگر یہ ٹریکٹر کسی سردار کا ہوتا تو ہم خواہ جتنی منت زاری کرتے کہ اپنا ٹریکٹر دے دے تو وہ معاوضہ کتنا زیادہ لیتا؟۔ ہماری انقلابی حکومت کو ہمارا درد، اپنا لگا۔ آپ خود سوچیں ہم نے ان سے اپنی زمین پر ہل چلانے کی رہنمائی مانگی اور انہوں نے فوری طور پر ٹریکٹر بھیج دیا تا کہ اپنی زمین پر بوائی کرسکیں۔

''فتح مند ہو ہماری انقلابی حکومت''۔

لالا فقیر نے کریم بخش سے پوچھا: ''بھائی، تخم کے بارے میں تم نے بات کی؟''

''دل مُراد کہتا ہے کہ آپ لوگوں کی کمیٹی خودمختار ہے، آپ لوگ گودام سے غلہ نکالیں اور یہ انتظار نہ کریں کہ ہم کیا کہتے ہیں''۔

وقت ضائع نہ ہونے دینے کے لیے لالا فقیر زرعی جمہوری اصلاحات والی کمیٹی کے ممبروں کے ساتھ گوداموں تک گیا۔ انہوں نے دروازہ کھولا، کچھ بوریاں غلہ سے بھر لیں، اور انہیں ٹریکٹر کے ٹرالر میں ڈال دیا۔ وہ گاتے ''سیٹیاں''، تالیاں بجاتے کھیت پر گئے۔ تخم پاشی کی اور مستیان نے ہل چلانا شروع کر دیا۔ وہ رات بھر نہیں سویا اور دوسرے دن مغرب تک ہل چلاتا رہا۔

جس وقت کام ختم کیا تو لالا فقیر کے پاس چلا گیا اور کہا:

''اگر کوئی اور کام نہ ہو تو میں گھر چلا جاؤں؟۔''

لالا فقیر نے کہا: ''سنگت، ہمارا کام اب مکمل ہو گیا۔ تم جا سکتے ہو۔ اور ہمارے گرم جوش سلام ہمارے بڑے بھائی اور سنگت دل مُراد کو پہنچا دینا''۔

مستیان ٹریکٹر پر سوار ہوا اور چلا گیا۔ لالا فقیر اور زمین تقسیم کرنے والی کمیٹی کے سلام دل مُراد کو پہنچا دیے اور اُسے اطمینان دلایا کہ اس نے بہت خوش اسلوبی سے ہل چلایا۔

سردیاں بیت گئیں، بہار آئی وہ بھی گزر گئی۔ گرمیوں کی لُو نے فصل کو سُکھا دیا اور کمیٹی نے غور و فکر کیا کہ کٹائی کی مشین یعنی ریپر کے بغیر تو سارے دانے زمین پر گر جائیں گے۔ ہر کمیٹی نے ہزاروں جریب زمین کاش کر رکھی تھی اور کٹائی تو ایسی چیز ہے کہ اُسے چند دنوں کے اندر اندر مکمل کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر درانتی سے کٹائی کرنی ہو تو کم از کم ایک ماہ کا عرصہ لگ جائے گا۔ اس لیے کمیٹی نے دل مُراد کی طرف یہ پیغام بھیجا:

''سنگت دل مُراد، ہماری ساری فصل پک کر بالکل تیار ہو گئی ہے۔ اگر چند روز کے اندر کٹائی نہ ہوئی تو نقصان ہوگا، دانے زمین پہ گر جائیں گے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے لیے ریپر کا انتظام کیا جائے گا۔

ازطرف، زمین کی جمہوری اصلاحات کی کمیٹی''

دل مُراد سوچنے لگا کہ ان کمیٹیوں کی ساری ضرورت وہ از خود پورا نہیں کر سکتا، اس لیے اس نے ایک ٹیلیگرام کابل بھیجا۔

اس میں لکھا:

''سنگت وزیر زراعت و زرعی اصلاحات!

محنت کش کسانوں کی طرف سے سلام قبول کریں۔ زرعی اصلاحات کے نتائج حسبِ تمنا بہت ہی اچھے ہیں۔ کچھ دنوں کے اندر اندر ساری فصل اٹھنی چاہیے اور یہ کام ریپر کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر دیر ہو جائے تو غلہ زمین پر گر کر ضائع ہو جائے گا۔ امید ہے کہ آپ ہماری مدد کریں گے۔

دل مُراد

صدر، جمہوری اصلاحات کی علاقائی کمیٹی''

''انتظار کیجیے۔ اگلے اڑتالیس گھنٹوں میں دس ریپر آپ تک پہنچ جائیں گے۔ امید ہے کہ یہ مشینیں آپ کا مسئلہ حل کر پائیں گی۔

کامیاب رہیں۔

وزیر زراعت و زرعی اصلاحات۔ گمشاد''

دل مُراد نے یہ ٹیلیگرام زور سے پڑھا۔ کسان بہت خوش ہوئے۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ایسی انقلابی حکومت کے لیے تو آنکھیں تک نچھاور کرنی چاہئیں۔

دل مُراد نے کہا:

''بھائیو!

''دس ریپر کابل سے تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ دو ہمارے اپنے پاس ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس سال یہی بارہ مشینیں کافی ہوں گی۔ اس طرح کرتے ہیں کہ ہر کمیٹی دو دو ریپر لے جائے اور کام کی آسانی کے لیے ضروری ہے کہ کاشت کاروں کی کوآپریٹو، جو کہ ہر کمیٹی سے ایک ممبر پر مشتمل ہو، بنائی جائے اور ہر گاؤں کا بھی ایک نمائندہ اس میں شامل ہو۔ اور جب بھی کوئی چھوٹا موٹا مسئلہ پیدا ہو، اُسے اسی نمائندے کی وساطت سے حل کریں۔ اور اس کام کے لیے ہر کمیٹی اپنی پیداوار سے ایک حصہ الگ کر کے کوآپریٹو کو دے دے۔ ہم آپ پہلے ہی کمیٹیاں بنا چکے ہیں۔ ہر کمیٹی 50 خروار غلہ اور 20 خروار جو، کوآپریٹو کو دے دے۔ ہم اس گندم اور جو کو حکومت پہ فروخت کریں گے اور ان پیسوں سے ٹریکٹر، کیمیائی کھاد، ریپر، تخم کا غلہ، دوائی اور نقد پیسہ لیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنی آئندہ ساری ضروریات خود پوری کریں گے۔''

سارے نمائندوں نے دل مُراد کی بات مان لی۔ ایک دن گزر گیا۔ دوسرے دن سارے نمائندے پھر دل مُراد کے پاس آئے۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ دور سے مٹی اڑتی نظر آئی۔ سب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور دیکھنے لگے۔ دیکھا کہ ریپر ایک ایک کر کے آ رہے ہیں۔ دس منٹ کے بعد ساری مشینیں پہنچ گئیں۔

دل مُراد نے ان کا استقبال کیا اور کہا: ''مزدور ساتھیو! بہت تھک گئے ہو۔ آج رات آرام کرو اور کل کام شروع کرو''۔

مزدوروں نے جواب دیا: ''سنگت دل مُراد اور دیگر ساتھیو! ہم سونے کے لیے نہیں آئے۔ ہمیں کام کرنا چاہیے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ایک بھی دانہ گر جائے۔ کام کے بعد سونے کے لیے ہمارے پاس بہت وقت ہوگا۔ اگر ایک پیالہ چائے مل جائے تو زبردست بات ہوگی۔ 24 گھنٹے میں پانچ گھنٹے کی نیند کافی ہوتی ہے۔ ہم جلد از جلد فصل اٹھالیں گے۔''

دل مُراد نے محمد خان کو چائے لانے کا کہا۔

محمد خان چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد چائے لایا۔ انہوں نے چائے پی اور کام پہ چلے گئے۔ وہ لوگ نو دن، نو راتیں کام کرتے رہے۔ فصل اٹھالی گئی۔ زمین کی جمہوری اصلاحات کی علاقائی کمیٹی کی میٹنگ ہوئی۔ اس میٹنگ میں سارے نمائندوں نے اس سال اپنی اپنی پیداوار کی تفصیل بتائی جو کہ بے مثال رہی۔ آخر ساری کمیٹیوں کے نمائندے موجود تھے۔ انہوں نے سات افراد منتخب کیے اور دل مُراد کو صدر چن لیا۔ کوآپریٹو کی کمیٹی اور زمین کی اصلاحات کی کمیٹی کا مشترکہ اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں زمین تقسیم کرنے کے نتائج کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ زمین کی جمہوری اصلاحات کے ثمرات کا اندازہ اس ٹیلیگرام سے ہوسکتا ہے جو دل مُراد نے گمشاد کو بھیجا:

''وزیرِ زراعت وزرعی اصلاحات، سنگت گمشاد!

''زمین کی جمہوری اصلاحات کی برکت سے اس سال ہماری پیداوار پچھلے سال کی نسبت دوگنی ہوئی۔ ہم نے ایک بڑی کوآپریٹو بنالی ہے۔ چھ سو خروار گندم اور دو سو چالیس خروار جو ہے۔ زمین کی جمہوری اصلاحات کی علاقائی کمیٹی اور کوآپریٹو کی کمیٹی اس فتح پر آپ کو اور اپنی انقلابی حکومت کو مبارک بادی دیتی ہے اور ہم قول کرتے ہیں کہ اگلے سال زمین کی پیداوار مزید بڑھائیں گے۔

ہم آپ کی کامیابی کی تمنا کرتے ہیں۔

زمین کی جمہوری اصلاح کی علاقائی کمیٹی اور کاشتکاروں کی کوآپریٹو انجمن کا صدر.....دل مُراد''۔

دل مُراد نے اپنے پیغام میں مطالبہ کیا تھا کہ حکومت، ہلمند دریا پر بند باندھنے میں ان کی مدد کرے۔ وہ بیٹھے ابھی باتیں کر رہے تھے کہ پیغام کا جواب آیا جس میں لکھا تھا:

''زمین کی جمہوری اصلاحات کی علاقائی کمیٹی اور کوآپریٹو انجمن کے صدر سنگت دل مُراد!

''اس کامیابی پر انقلابی حکومت بہت خوش ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ انقلابی حکومت آپ کی ہر طرح سے مدد کرے گی۔ چند روز بعد ہلمند کے ڈیم اور نہری پروجیکٹ پر کام شروع ہوجائے گا تاکہ آپ لوگوں کی تکالیف کم ہوں۔

آپ کی کامیابی کی تمنا کرتا ہوں۔

گمشاد۔ وزیر زراعت وزرعی جمہوری اصلاحات''

دو ہفتے بعد ہلمند پروجیکٹ پر کام شروع ہوا، تین نہریں اور کانکریٹ کے برقی سٹیشن بن گئے۔ خشک آبی ختم ہوئی۔ حکومت نے کوآپریٹو کو بڑا قرضہ دیا۔ بجلی کا سٹیشن کھلا۔ تاریکی نے وہاں سے نقل مکانی کی۔ کاشت کاری مشینی ہوگئی۔ ہر سال زمین کی پیداوار بڑھتی جاتی۔ ہر طرف خوش حالی تھی، سبزہ تھا۔ صحرا اور بیاباں، باغ بن گئے۔ میوے بہت تھے۔ ہزاروں ٹن کپاس حاصل ہوتی رہی۔ کپڑا بُننے کا کارخانہ قائم ہوا۔ مویشی بانی کو ترقی ہوئی۔ دودھ، گوشت اور گھی کی فراوانی ہوئی۔ جوتے کا ایک کارخانہ قائم ہوا اور محنت کشوں کے برسہا برس کا مطالبہ اور خواہش پوری ہوئی۔ اس کے بعد کم سن مرید اور محمد خان کو بے جوتا بنانے والا کوئی نہ رہا۔ سب کام کرتے تھے۔ اچھا لباس پہنتے تھے اور اب.....حتیٰ کہ گندم کی سوکھی روٹی کھانے پر کوئی بھی راضی نہیں تھا۔